مدیر: چوہدری ریاض احمد　نائب مدیر: حامد رحمٰن　رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
35863260
35862956
Email: centralanjuman@yahoo.com　قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلدنمبر 99	28 رمضان تا 14 شوال 1432 ہجری 16 اگست تا 31 اگست 2012ء	شمارہ نمبر 16

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ

آوازوں اور خوابوں پر ناز نہ کرو

جب تک انسان خدا ہی کا نہ ہوجائے

کشوف اور خواب کچھ چیز نہیں

جب انسان اپنے نفس کو کھو دیتا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہیں رہتی اور کسی کو اپنی نظر میں نہیں دیکھتا اور اس کو ہی سناتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کو سناتا ہے مگر وہ لوگ جن کے باوجودیکہ دو کان ہوتے ہیں مگر وہ حرص، ہوا، غصہ، کینہ وغیرہ ہر قسم کی طاقتوں کی باتویں سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی بات کیونکر سن سکتے ہیں۔ ہاں ایک قوم ہوتی ہے جو باقی سب کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سب طرف سے کانوں کو بند کر لیتے ہیں۔ نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی کو سناتے ہیں۔ انہیں ہی خدا بھی اپنی سناتا ہے اور ان کی سنتا ہے اور وہی مبارک ہوتا ہے۔

پس اگر اس قوم میں داخل ہونا چاہتے ہو تو ان کے نقش قدم پر چلو۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو ایسی آوازوں اور خوابوں پر ناز نہ کرو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ حدیث میں اضغاث احلام اور حدیث النفس کا ذکر موجود ہے یہ کوئی چیز نہیں۔ جب تک انسان محض خدا کا ہی نہ ہوجائے یہ کچھ چیز نہیں۔ انسان کی عزت اسی میں ہے اور یہی سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ جب وہ خدا کا مقرب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہزاروں برکات اس پر نازل کرتا ہے۔ زمین سے بھی اور آسمان سے بھی اس پر برکات اترتے ہیں۔ نصرت اور تائید خدا تعالیٰ کے مقرب کا بہت بڑا نشان ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسا شخص خزاں کے وقت آتا ہے اور بہار ہوجاتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی طرف سے ن ہوں اور اس قسم کی شیخیاں مارنے والے ہوں ان کی مثال ایسی ہے جیسے مردار پر بیٹھے ہوں۔ مگر جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے حی وقیوم خدا اس کے ساتھ ہے۔ وہ خود زندہ ہے۔ اسے زندہ کرے گا۔ وہ اپنے وعدوں کو جو اس سے کئے ہیں سچا کر دکھائے گا۔ میری نصیحت بار بار یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے نفسوں کا بار بار مطالعہ کرو۔ بدی کا چھوڑ دینا یہ بھی ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ ہی سے چاہو کہ وہ تمہیں توفیق دے۔ (ملفوظات جلد نہم)

میاں محمد طیب صاحب

ہاں اسی خضر کی تعلیم کو زندہ رکھو!

اللہ اللہ صدی چودھویں کا جاہ و جلال
رحمتِ حق سے ملا ہے اسے کیا فضل و کمال

جس میں مامور من اللہ ہوا اک بندۂ حق
تا کہ اسلام کی رونق کو کرے پھر وہ بحال

جس کے آنے کی خبر مخبرِ صادق نے تھی دی
آسماں پر سے اُتر آیا وہ صاحبِ اقبال

قادیاں جائے قیام اُس کا غُلام احمد نام
جھاڑے اسلام نے پھر جس کے سبب سے پر و بال

دِیں کی تجدید لگی ہونے بصد شدّ و مدّ
دیکھو جس شخص کو کرتا ہے یہی قیل و قال

بُھوکے نُورانی غذاؤں سے لگے ہونے سیر
پیاسے برکات کی بارش سے ہوئے مالا مال

شرک و بدعت کی سیاہی تو لگی ہونے دُور
نظر آنے لگا توحید کا پھر حُسن و جمال

راز سربستہ بہت علمِ لدُنّی کے کُھلے
دیکھ لی کشف و کرامات کی اک زندہ مثال

وحی و الہام کی ماہیّتیں روشن ہوئیں آج
شبِ معراج کا عقدہ کُھلا اور طور کا حال

کُھل گیا آج کہ ہے معجزہ زندہ قرآں
سب جہاں مان گیا سامنا اس کا ہے محال

ہر مخالف کا کٹا تیغِ براہیں سے سر
ہو گئے غیر مذاہب بھی بحُجّت پامال

پیشگوئیوں کے کُھلے بھید رسالت کے بھی راز
کُھل گیا عیسےٰ مریم کا نزولِ اجلال

حل ہوئے نکتے تصوّف کے ولایت کے بھید
قلب مومن پہ جو ہوتے ہیں الٰہی افضال

الغرض ہو گئے حل سینکڑوں عقدے لاحل
دس جواب اُس کو ملے جس نے کیا ایک سوال

مثل شیشہ کے نبی اور ولی ہوتے ہیں
نظر آتا ہے سِدا شیشہ میں اپنا خط و خال

ہاں اسی خضر کی تعلیم کو زندہ رکھو
خیر و خوبی سے اگر چاہتے ہو حال و قال

(ماخوذ از اخبار پیغام صلح 24 جون 1964)

خطبہ جمعۃ الوداع واپیل

مورخہ 17 اگست 2012ء بمقام جامع دار السلام، لاہور

ترجمہ: ''پھر لوگوں میں سے کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں ہی دے دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی ان میں سے کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہی ہیں جنہیں اس سے حصہ ملے گا جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے''۔ (سورہ البقرہ ۲۔ آیت 202-201)

رمضان شریف کا بابرکت مہینہ اختتام پر آچکا ہے اور اس کا یہ آخری جمعہ ہے۔ اس سے بھی بہت سی برکات منسوب ہیں اور دعاؤں کی قبولیت جیسے ماہ رمضان میں ہے اسی طرح جمعۃ المبارک کی دعائیں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیت حاصل کرتی ہیں۔ جو آیات میں نے تلاوت کیں ان میں ایک ایسی دعا ہے جو کہ قرآن کریم کی دعاؤں میں سے نماز کا حصہ ہے اور جو کوئی نماز پڑھے چاہے نوافل ہوں، چاہے فرض ہوں، چاہے سنت ہوں، چاہے وتر ہوں ان سب میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اس کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ اس رمضان میں فجر کے بعد ہر روز کسی نہ کسی قرآنی دعا پر درس ہوتا رہا ہے۔ بارہا میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس اہم دعا کے اوپر فجر کا درس دوں لیکن پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ دعاؤں کا سلسلہ جاری کیے رکھنا ہے اس کو میں جمعۃ الوداع کے خطبہ کا موضوع بنا دوں۔ اس طرح دعاؤں کا جو سلسلہ ہے وہ بھی آگے بڑھ جائے اور ہم سب مل کر اس دعا کی اہمیت کو بھی سمجھ لیں اور اپنی نمازوں میں جب آئندہ یہ دعا مانگیں تو ایک خاص توجہ ماحول ہمارے دل میں اس کے متعلق ہو۔

دعائیں مانگنے والوں کی دو اقسام

ان آیات میں دو قسم کے انسان ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں۔

ایک وہ شخص ہے جو صرف دنیا کے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اس دنیا میں ہی کامیابی کو وہ اہمیت دیتا ہے اور اس کی دعائیں، اس کی تمام محنتیں، کوششیں، جستجو جو بھی وہ کرتا ہے وہ کسی طرح سے اس دنیا کو بہتر بنا لینے کی خاطر دعائیں مانگتا ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ جیسی بھی دعا مانگی جائے، جس نظریہ سے مانگی جائے، دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور ایسے لوگوں کو خوب اس دنیا میں دیتا ہے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی کہتا ہے ''آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں'' اور **دوسری طرف ایک اور شخص** دعا مانگ رہا ہوتا ہے کہ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنه** یہ دونوں دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہوتا ہے کہ **وقنا عذاب النار** کہ جہاں وہ دنیا کی اچھی چیزیں پا جائے تو وہ ان سے ایسا استعمال نہ لے کہ وہ اس کے لئے آزمائش اور سزا کا موجب بن جائیں۔ جو ایسی دعا مانگنے والے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ **''یہی ہیں جنہیں اس سے حصہ ملے گا جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے''** جو جتنی نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس کو اس کے مطابق دیتا ہے اور اگر وہ کوئی بری بات کرتا ہے تو وہاں اس سے بدلہ بھی لیتا ہے۔ اس آیت میں ''حسنة'' کا لفظ استعمال ہوا ہے **یعنی ایسی چیز جو انسان کے لئے آرام کا موجب بنے۔**

قرآن کریم ھدی اللناس ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ھدی اللناس بنا کر بھیجا۔ اس میں زندگی کے ہر پہلو کی ہدایت ہے لیکن قرآن ہدایت دے دیتا ہے اور اچھی اور یا بری راہ اختیار کرنے کا حق انسان کو دے دیتا ہے۔ مکمل اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو دے دیا اور اس سے اس کو اختیار مل گیا کہ وہ اس دنیا کے لئے دعائیں کرتا رہے اور اس دنیا کو پاتا

رہے یا وہ اس دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر بھی اپنے دل میں رکھے۔ جو لوگ اس دنیا کو ہی ترجیح دینے لگ جاتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور جو اللہ تعالیٰ سے اچھائی مانگتے ہیں اس دنیا اور آخرت کی وہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ اور اگر جو رزق ان کو ملا ہے اس کو صحیح طور پر استعمال کریں گے تو ان کو وہاں بھی اللہ تعالیٰ جنت کی اچھی خبر دیتا ہے۔ جو اس دنیا کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں ان کے لئے محدود قسم کی سوچ ہو جاتی ہے کہ وہ پیسہ حاصل کرنے کی دعا، بینک بیلنس، کاریں، بنگلہ وغیرہ مانگتے ہیں اور اسی زندگی کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں اور دل میں یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں اگر ''**حسنة**'' مل جائے تو اور کیا چاہیے اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگلی دنیا کس نے دیکھی ہے اسی کو مزے سے جی لو۔ تو یہ جو ایک مال ومتاع کے پیچھے دوڑ لگائے رکھتے ہیں۔ وہ اپنی اس زندگی کا مقصد اسی کو بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ اصلی مقصد جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

یہ جو دنیا کے پیچھے پڑ جائیں ان میں اور بھی گناہ پیدا ہو جاتے ہیں جو وہ اس مال کو حاصل کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ چاہے جو کچھ ہو جائے یہ مال آنا چاہیے، یہ دنیا کی آسائشیں آنی چاہئیں، چاہے اس کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بولنا پڑے، فریب پر فریب کرنا پڑے، ڈاکہ چوری، جیب تراشی، دوسروں کے حقوق کی پامالی، رشوت، سب کو جائز بنا دیا جاتا ہے۔ اور اس کا نمونہ ہم بڑی بدقسمتی سے اپنے اس پاکستان جو پاک ملک بنا تھا اس میں دیکھتے ہیں کہ دنیاوی قدریں ایسی بڑھ گئی ہیں کہ رشوت لینا ہمارے ملک میں معمول بن گیا ہے۔ اور اس کو نتیجہ پوری قوم بھگت رہی ہے۔ اس کے برعکس جو اس دنیا اور آخرت دونوں میں ''حسنة'' چاہتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا کو پالیا اور اس کو ایسے استعمال کر رہے ہیں کہ وہ اچھا، برا جو ہے اس کو دیکھتے نہیں وہ اَمّارہ کا نمونہ بن چکے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اصل میں جو لوگ یوں خوش نظر آتے ہیں ان کے دلوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ سکون میں نہیں ہیں۔

حسنة میں کیا چیزیں شامل ہیں

مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زور دے کر کہا ہے کہ حسنة جب انسان مانگتا ہے تو اس میں کیا کیا چیزیں آجاتی ہیں:

آپ فرماتے ہیں ''حسنة جب آپ مانگیں تو آپ اپنی صحت کے لئے دعا مانگیں وہ حسنة ہوگا، آپ اپنے اور دوستوں کے لئے دعائیں مانگیں۔ علم کا حاصل کرنا، اچھے علم اور پھر اس اچھے علم پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ کی سچی عبادت کرنا، اصلاحی کاموں میں حصہ لینا، خیر و برکت کے کاموں میں حصہ لینا، رزق حلال کی تلاش میں لگے رہنا اور اس کو جائز طور پر استعمال کرتے رہنا اور دعائیں کرنا کہ اللہ تعالیٰ ایسی اولاد دے جو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب بنے، ہماری بیویاں اچھی نیک ہوں اور ہمارے پاس آرام دے مکان ہوں، اچھا اور صاف ستھرا لباس ہو، اچھے دوست اور اچھا ساتھی ہو، اور دنیا کی کمزوریاں اور خواہشیں ہمارے دل میں نہ پیدا ہوں، اور ہماری آخرت اچھی ہو'۔ مذکورہ بالا تمام دعائیں حسنة میں شامل ہیں۔

دعاؤں میں رَبَّنَا کی اہمیت

حضرت مسیح موعود رحمۃ اللہ علیہ اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن میں جو دعائیں رَبَّنَا سے شروع ہوتی ہیں ان میں رَبَّنَا کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اس لفظ کے ساتھ وہ دعا ایک ذاتی دعا بن جاتی ہے (بحیثیت خود یا جماعت) وہ اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ رَبَّنَا کہنے کی یہ شرط یاد رہے کہ:

اور صرف یہ تصور دل میں ہو کہ صرف اور صرف اللہ ہی عبادت کے لائق اور مدد مانگنے کے لائق ہے اور درمیان میں سے اسباب نکال دیئے جائیں۔ جیسے اگر کوئی انسان گستاخ ہو اور وہ کوئی اونچے آدمی کا نام لے تو وہ کہتا ہے کہ پھر میرا نام میں نے تیری زبان سے سنا تو میں تیری زبان کو کھینچ نکالوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کا صبر اور اس کا پیار بندوں سے دیکھیں کہ رَبَّنَا کہنے کی اجازت دیتا ہے اور انسان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اُسے ذاتی حیثیت سے اس کے نام سے پکاریں اور اپنی ضروریات مانگیں۔ اور ولیّ، ربیّ کہہ کر پکارے اور اس طرح اس کو **لاشریک** سمجھ کر مانگیں۔

قابل غور بات

میں جماعت کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ہم دعا کرتے وقت جب ایاک نعبد یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ایاک نستعین یعنی ہم تیری ہی مدد چاہتے ہیں کہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد کے طور پر کہیں اور ہر نماز میں بار بار یہ دعا کر کے اس عہد کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں۔تو اس تصور سے کہ تمام انتظام اور طاقت اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہماری دعا ضروری وقت مقررہ پر قبول فرمائے گا۔

حضرت صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آپ رَبَّنَا دل کی گہرائیوں سے کہہ ہی نہیں سکتے اور اس درد اور اضطراب میں جو دعا کی قبولیت چاہتا ہے پیدا ہو ہی نہیں سکتا جب تک آپ نے اپنے دلوں میں شرک کر رکھا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم سب نے کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر سہارا نہ رکھتے ہوئے دعائیں کرنی ہیں اور جب میں نے یہ آیت دیکھی تو میرے دماغ میں یہ بھی آیا کہ صرف دنیا جس میں انسان کا بسر ہوتا ہے آخرت جو جنت کہلائے گی یہ دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والی دعا ہے۔دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ جس کو اس دنیا میں حسنۃ ملے گا اس کو اس دنیا ہی میں جنت ملتی ہے۔کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ **"جب جب ان کو جنت میں پھل ملے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو ہم نے پہلے ہی کھایا ہوا ہے لیکن ان کو اس کے ساتھ ملتا جلتا پھل مل رہا ہوگا"** تو مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی حسنۃ ایک پھل ہے وہاں کی حسنۃ بھی ایک پھل ہے اور وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں صرف درجہ میں فرق ہے۔یہاں پر خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کی وجہ سے تسلی اور سکون دل میں رکھتے ہیں، اس کی قربت محسوس کرتے ہیں، اس کو رَبَّنَا کہنے کے قابل بنتے ہیں، اس کو ربی کہنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔وہی ایک اونچے درجہ سے اللہ کو آمنے سامنے پا کر حاصل ہوگا۔اس لئے یہاں پر دعا یہ ہے کہ **ہمیں اسی زندگی میں وہ پھل چکھانا شروع کردے، وہی حسنۃ ہمیں ادھر ہی دے دے، جو ہمیں آخرت میں بھی تو دے گا اور ایک طرف تیری خوشنودی ہے جو الجنۃ ہے اور دوسری طرف تیری ناراضگی ہے جو النّار ہے اس سے تو ہمیں بچالے۔**

آج کا دن رمضان کے حوالہ سے اور جمعۃ الوداع کے حوالہ سے اور پھر یہ عید الفطر آنے کے حوالہ سے بہت مبارک دن ہے اور میں آپ کی توجہ ایک خاص طرف دلانا چاہوں گا کہ جب انسان کو رزق کے لئے دعا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو رزق دیتا ہے۔اور پھر اس رزق کی بہتر استعمال بھی ہے اور اس رزق کی بُری استعمال بھی ہے۔آپ کے پاس کوئی ہنر دنیا میں آجائے جیسے آپ کو خط لکھنا یا Emails کرنی آجائیں تو ان کو اچھے ذرائع کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور بُری باتوں کے لئے بھی کر سکتے ہیں۔ایسے ہی اللہ نے ہمیں جتنے جسمانی حصے عطا فرمائے ہیں وہ اچھائی اور بُرائی دونوں کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً آنکھ سے ہم بُری چیز بھی دیکھتے ہیں اور اچھی چیز بھی دیکھتے ہیں، زبان سے بُری باتیں بھی بولتے ہیں اور اچھی بھی بولتے ہیں، ہاتھوں کو اچھائی کیلئے اور برائی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں لیکن جس کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے فرماتا ہے کہ **میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ چیزیں کرتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان سے بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے۔**

انسان کا جو دنیا میں نصب العین ہے وہ اپنے آپ کو اس حد تک پہنچا دے کہ تمام جسم اس کے اپنے کنٹرول میں آجائے اور وہ خدا کی خوشنودی کے لئے ہر چیز کا اچھا استعمال کرے۔

جس رکوع سے میں نے وہ آیات منتخب کی تھیں اس میں آگے آتا ہے "**اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے**" اپنے آپ کو بیچ ڈالنا جان بھی دے دینا ہے لیکن جان دینی آسان ہے کیونکہ کوئی آپ سے پوچھے بغیر بھی لے سکتا ہے۔سرائے نورنگ میں ہمارا بھائی شہید ہو گیا اس سے کسی نے پوچھ کر گولی نہیں چلائی بلکہ پیچھے سے چلائی۔اگر ہم کہیں گے صاحبزادہ عبد الطیف شہید ہو گئے انہوں نے شہادت قبول کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ شہید کر دیئے جائیں گے۔آپ نے سنگساری قبول کی مگر دین کو دنیا پر مقدم کرتے

ہوئے موت کے ڈر سے حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔

مولانا نورالدین رحمتہ علیہ نے فرمایا کہ ”ہم خوش قسمت ہیں کہ پہلے ہماری اُمّۃ سے خون مانگا جاتا تھا اب صرف مال مانگا جاتا ہے“ تو اس طرح ہم آسان وقتوں میں آئے ہیں۔ہم سے صرف مال مانگا جاتا ہے۔

ہماری جماعت کی روایت ہے کہ اللہ راہ میں بے دریغ خرچ کرتی ہے۔ہم اللہ کا شکرادا کرتے ہیں کہ اس نے پھر ہمیں خرچ کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اپیل

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے **ومما رزقنهم ينفقون** یعنی ”وہ خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا“ آج ہمارے پاس ایک موقع ہے جس میں ہم خرچ کر سکیں اور وہ بہت اچھی چیز کے لئے خرچ ہوگا وہ بھی **حسنة** میں شامل ہوگا۔میں اس اپیل کو جمعتہ الوداع/رمضان المبارک/عید الفطر اپیل کے طور پر کررہا ہوں:

انڈیا میں جو ہماری مشن ہے اس کے لئے یہ اپیل ہے کہ وہاں پر ایک سکول بھی بنے جس میں غریب بچے پڑھیں، ایک مسجد بھی بنے جس میں تمام لوگ نماز ادا کریں اور دین کی تعلیم حاصل کریں۔انڈیا ہمارے لئے بہت ہی اہم مقام اس لئے بنتا ہے کہ یہ ہمارے بانی سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی جائے پیدائش کا ملک ہے۔انڈیا میں امام الزماں کا پیغام بہت اہمیت رکھتا ہے اور احمدیہ انجمن لاہور کا فرض بنتا ہے۔اس کی ایک کڑی یہ ہے کہ انڈیا میں ڈاکٹر ترین صاحب کی محنت سے ہندی زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ ہوگیا ہے۔تو یہ بڑا موزوں موقع ہے کہ وہاں ایک مرکز ہو۔اس اپیل میں سب بڑھ چڑھ کر حصہ لیں کیونکہ یہ اس زمانہ کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہماری رمضان کی تمام دعاؤں کی قبولیت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان نیکیوں کو جن کو ہم نے اپنایا ہے ان کو آگے لے جانے میں ہماری مدد فرمائے۔آمین۔

دُعا کا اثر

از: حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم رحمتہ اللہ علیہ

یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہوچکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہوجاتی ہے۔یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرامِ فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔جو طرف سوید مطلوب ہے۔خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاءؑ سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معاف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فنافی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنھوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔**(برکات الدعا ص ۵)**

تقویٰ کی حقیقت

از: خورشید عالم ترین صاحب

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جیسا کہ اس کے تقوے کا حق ہے۔ اور تم نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو''۔

(آل عمران: ۳۔۱۰۲)

اس آیت سے یہی نکلتا ہے کہ جب تک ایمان کے ساتھ نیک عمل شامل نہ ہوں تب تک ایمان بے کار رہتا ہے۔ یہ جو لوگ مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یا خالی زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے۔ خود کو نہ صرف مسلمان بلکہ جنت کا ٹھیکدار بھی سمجھنے لگتے ہیں یہ سوچ صحیح نہیں۔ اسی آیت کو لیں یہاں صاف لفظوں میں مرتے دم تک تقویٰ شعار بننے اور فرمانبرداری کرتے رہنے کا حکم ہے۔ اگر نجات یا جنت کے حصول کے لئے صرف زبانی اقرار ہی کافی ہوتا تو اس آیت کو اتارنے کی کیا ضرورت تھی؟

قرآن پاک میں بار بار اتقوا اللہ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم آیا ہے۔ آیئے آج ہم یہ دیکھیں کہ آخر یہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ کا لفظ وقیٰ سے نکلا ہے۔ جب وقیٰ الشی کہا جائے تو مراد ہوگی۔ کسی چیز کی حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا، اسے مضر اور تکلیف دہ چیز سے بچانا۔ اسی سے واق یعنی بچانے والا بنا ہے۔ قرآن شریف میں کافروں کے بارے میں آیا ہے کہ ان کے لئے کوئی واق یعنی بچانے والا نہیں (سورۃ ۱۳: آیت ۳۷) دوسری جگہ آیا ہے فاتقوا النار پس جہنم کی آگ سے اپنا بچاؤ کر لو۔ (سورۃ ۲: آیت ۲۴)

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ نے کعب سے پوچھا کہ اے کعب! تقویٰ کیا ہے؟ کعبؓ نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو کبھی ایسے راستے سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف کانٹے والی جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ کعبؓ نے پھر سوال کیا: تو آپ نے اس وقت کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: پہلے تو میں ڈر گیا کہ کہیں کانٹوں میں الجھ کر نہ رہ جاؤں۔ پھر میں نے اپنا دامن سمیٹ لیا اور بڑی ہوشیاری سے بغیر دائیں بائیں مڑے سیدھا نکل گیا۔ کعب نے کہا: یہی تو تقویٰ ہے۔

عربی کے الفاظ اپنے اندر کئی کئی معنی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی بھی دوسری زبان میں ان کا صحیح مترادف یعنی بالکل ہم معنی لفظ ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ اسی لئے ترجمہ کرتے وقت مفہوم بیان کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے اوپر تقویٰ کے معنی بتائے۔ ان کو ذہن میں رکھیئے اور پھر ترجمہ کرنے والوں کا وہ ترجمہ بھی دیکھیئے جو انہوں نے متقی لفظ کا کیا ہے: ''نیک عمل کرنے والا''۔ ''خدا سے ڈرنے والا'' ''گناہ سے بچنے والا''۔ ''خدا کا احساس دل میں رکھنے والا'' وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب متقی لفظ کے مفہوم ہیں مترادف نہیں۔ ہمارے پیارے امیر مرحوم حضرت علامہ مولانا محمد علی صاحب نے ایسا ترجمہ اختیار کیا ہے جس میں یہ ساری باتیں آ جاتی ہیں۔ حضرت مولانا کا ترجمہ یہ ہے: ''He who is careful of his duties یعنی جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملے میں ہر وقت محتاط رہتا ہے۔ یعنی کوئی بھی کام ایسا نہیں کرتا جس سے اللہ یا اس کے بندوں کے حقوق کی حق تلفی ہو۔ جس آیت کو ہم نے ابتداء میں تلاوت کیا تھا۔ اب اس پر ایک بار پھر نظر ڈالئے، مفہوم بالکل صاف ہو جائے گا۔

ترجمہ: ''اے وہ لوگو!۔ اٰمنو۔ جو ایمان لائے ہو۔ اتقوا اللہ۔ اللہ کا تقویٰ کرو۔ یعنی اللہ کے فرامین اور اس کے احکامات کی پیروی کرو۔ اور پیروی بھی کیسی؟ حقَّ تقتہٖ جیسا پیروی یا فرماں برداری کا حق ہے یعنی اس سے زیادہ ممکن نہ ہو۔ ایسی کیفیت کے لئے انگریزی میں utmost لفظ بول دیتے ہیں۔ ایسی فرمانبرداری زندگی میں صرف ایک آدھ بار ہی نہیں بلکہ مرتے دم تک کرنا ہوگی۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ ولا اور نہیں۔ تموتن۔ مرو تم۔ اِلَّا۔ مگر اس حالت میں کہ وانتم مسلمون۔ تم فرمانبردار ہو۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا آنا اٹل ہے۔ نہ پیغمبر اس سے بچ پائے، نہ ولی اور نہ ہی عام انسان۔ کس کی موت کب اور کہاں ہوگی اس کا علم کسی کو نہیں دیا گیا۔ سورۃ ملک (۶۷) کی دوسری آیت میں اللہ نے یہ کہا ہے: ''یعنی اللہ ہی وہ ذاتِ بابرکت ہے جس نے موت مقرر کر دی اور حیات بھی تا کہ وہ دیکھے کہ کون تم میں سے احسن یعنی عمدہ ترین عمل کرتا ہے'' مطلب یہ کہ انسان کی زندگی سے پہلے اس کی موت مقرر کر دی جاتی ہے۔ ایسا صرف اس

لئے کہا گیا ہے تا کہ انسان زندگی پر غلط بھروسہ کر کے اپنے فرائض سے غافل نہ ہو جائے۔ شیطان تو یہی کہتا ہے گناہ کا مزہ لے لے۔ ابھی کیا ہوا کل توبہ کر لینا۔ اسی کل والے بھروسے اور غلط امید کے ذریعے وہ انسان کو گناہ کا اتنا عادی بنا دیتا ہے کہ ایک نشہ باز کی طرح اب گناہ چھوڑنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ پیارے نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ موت کو سرہانے رکھ کر سویا کرو۔ اور سونے سے پہلے اپنے دن کی کارگزاری کا جائزہ لے لیا کرو کہ سارا دن تم نے کس قدر اپنے خالق و مالک کی فرمانبرداری کی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرتا رہے گا یعنی ان کو جانچتا رہے گا۔ وہ قیامت کے محاسبے سے محفوظ ہو جائے گا۔ تقویٰ ہی نیک اعمال کی جڑ ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا ایک الہامی شعر ہے:

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

ایک شفیق ماں اپنے بچے کو اچھے اور مفید کاموں کی اہمیت اور نتائج بتا بتا کر انہیں کرنے کی ترغیب دیتی ہے، ٹھیک اسی طرح خدائے رحمان، جس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، نیکی اور نیک اعمال کی تلقین کے بعد اپنے بندوں سے یہی کہتا ہے: ''تو پھر تم متقی کیوں نہیں بنتے''۔

کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ آخر وہ کونسی بات یا وہ کونسے اسباب ہیں جو انسان کو بے اختیار کسی چیز کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ انسان کی بنیادی ضرورتیں، اس کی کمزوریاں، اس کی خواہشیں ہی وہ محرکات اور اسباب ہیں جو اسے دوسروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان چیزوں کے حصول کے لئے وہ بتوں، دیوی دیوتاؤں، پیروں فقیروں اور نہ معلوم کہاں کہاں جا پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ، جو ساری کائنات کا اکیلا خالق و مالک ہے۔ اور جس کے دست قدرت میں سارے خزانے اور ساری طاقتیں ہیں۔ وہ اپنے متقی بندے کو یہ خوشخبری دیتا ہے: ''اے میرے بندے! اگر تو تقویٰ اختیار کرے گا تو دوسرے متقیوں کی طرح تو بھی میرا محبوب بن جائے گا'' ظاہر ہے کہ جس سے اللہ پیار کرنے لگ جائے اس سے کونسی نعمت چھپا رکھے گا۔ گویا تقویٰ کا پہلا انعام ''محبوب الٰہی'' بننا ہے۔ اور محبوب الٰہی بن کر انسان اللہ کے دوسرے محبوبوں سے جا ملتا ہے۔ جن میں انبیاء کرام، شہداء، صدیق اور صالحین شامل ہیں۔ ان نیک انسانوں کی رفاقت ایک بہت بڑا انعام ہے۔ تقویٰ ہی سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے۔ فرمایا: ''یعنی اللہ متقیوں کا دوست بن جاتا ہے''۔

جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کی بات سنتا ہے۔ اسی طرح اللہ بھی اپنے متقی بندے کی بات سنتا ہے اور اس سے دوستانہ سلوک کرتا ہے۔

تقویٰ کا ایک اور انعام ''فرقان'' ہے یعنی حق اور ناحق کے بیچ کا فرق۔ متقی کی سوچ اور سمجھ کو اتنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے غلط اور صحیح، جائز اور ناجائز کے بیچ فرق کر لیتا ہے۔ یہ بھی کوئی کم مہربانی نہیں جو متقی کے حصے آتی ہے۔

انسان کی عزت اور تکریم کا ایک نمایاں پہلو ''علم اور عرفان'' ہے۔ انسان جتنا زیادہ علم و عرفان میں بڑھ جائے گا، اتنا ہی زیادہ قابل تعریف اور قابل عزت ہو جائے گا۔ جاہل اور بے علم کی کہیں بھی عزت نہیں ہوتی۔ دوسروں کی بات چھوڑو، وہ تو خود اپنی ہی نگاہ میں حقیر اور بے وقعت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندے کو خوشخبری دیتا ہے: یعنی اللہ کا تقویٰ کرو۔ وہ تمہیں علم عطا کرے گا''۔

اور تم ان باتوں اور قدرت کے ان رازوں کو سمجھنے لگ جاؤ گے جو دوسروں کی سمجھ سے پرے ہوں گے۔ یہ کتنا بڑا احسان اور کتنا بڑا عظیم انعام ہے!

نسان رزق کی تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا نہیں پھرتا۔ بڑے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میری پلاننگ، میری کوشش مجھے مالا مال کر دے گی۔ پر ایسا ہوتا نہیں۔ کیونکہ: ''انسانوں کا سارا رزق آسمان سے ہی اترتا ہے''۔

یہ تبھی بندوں تک پہنچتا ہے جب خدائے رزاق اسے اوپر سے Sanction کرے۔ جو چیز اس نے تمہارے لئے مقدر نہیں کی۔ وہ تم کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ چاہے تم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لو۔ لیکن متقی کا معاملہ۔ عام انسانوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ متقی رزق کے معاملے میں کبھی محتاج نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ نے اس کو یہ وعدہ جو دے رکھا ہے: ''اللہ اس کے رزق کا انتظام ایسی جگہ سے کر دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی''۔

جب انسان مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ ناکامی اور مایوسی کا اندھیرا اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا۔ ایسی حالت میں بڑے سے بڑا قوی اور طاقتور انسان بھی ہمت ہار جاتا ہے اور ناامید ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ خودکشی تک جا پہنچتے ہیں لیکن قرآن شریف متقی کو یہ خوشخبری سناتا ہے: یعنی جو اللہ کے لئے تقویٰ کرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے مخلصی کا راستہ پیدا کر دیتا ہے''۔

غرض تقویٰ کے اتنے انعامات ہیں جن کو انسان گن بھی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو متقی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آج دین اسلام کی فتح کے لئے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق کار پر یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے

فرمودہ مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۶ء بمقام جامع احمدیہ بلڈنگس، لاہور

سورۃ الفتح کی ابتدائی دو آیات میں ارشاد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت نمایاں فتح دی گئی۔ یہ سورۃ مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ مفسرین نے بالاتفاق یہ تسلیم کیا ہے کہ ان آیات میں جس فتح مبین کا ذکر ہے وہ صلح حدیبیہ ہی ہے حالانکہ اس صلح میں جن شرائط کو تسلیم کیا گیا وہ صحابہ کرامؓ کو گوارا نہ تھیں۔ ان شرائط سے کفار مکہ نے یہ تاثر پیدا کرنا چاہا تھا کہ گویا مسلمانوں نے ایک شکست خوردہ فریق کی مانند دب کر صلح کر لی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اسے نہ صرف فتح کے نام سے موسوم کیا بلکہ فتح مبین اسے قرار دیا اور فتح مبین بروئے واقعات یہ صلح ثابت ہوئی۔ اس صلح کے وقت قریباً چودہ سو اصحابؓ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے مگر صرف ڈیڑھ برس کے بعد جب فتح مکہ ہوئی تو دس ہزار قدوسیوں کی عظیم جماعت آپؐ کے ساتھ تھی۔

عظیم فتح کا باعث کونسے اسباب ہوئے؟

قرآن کریم ایک ایسی مدلل و معقول کتاب ہے کہ کسی بات کو بلا دلیل بیان نہیں کرتی چنانچہ یہاں پر ایسی صلح کو جو بظاہر شکست کے مترادف دکھلائی دیتی تھی کیوں فتح مبین قرار دیا، پر دلیل یہ دی ہے کہ تا خدا ان الزاموں سے آپؐ کی بریت کرے جو آپؐ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں چنانچہ یہی کچھ واقعات میں پیش آیا۔ اس سے قبل مسلسل مسلمانوں اور کفار میں جنگیں جاری رہی تھیں، جنگوں کے دوران دشمنی کے جذبہ سے کفار مکہ آنحضرت صلعم کے صحیح موقف اور سچے کردار سے پوری واقفیت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن اب جو صلح ہوئی تو عداوت کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور کفارِ مکہ نے جذبات سے علیحدہ ہو کر آنحضرت صلعم کے موقف و کردار پر غور کیا تو ان میں سے بہتوں پر حقیقت الامری بوضاحت روشن ہوگئی۔ بلکہ خود شرائط صلح پر ہی جب تعصب و ضد سے الگ ہو کر کفار نے غور کیا تو ان پر یہ بات کھل گئی کہ نہ تو آنحضرت صلعم کو جنگوں سے کوئی دلچسپی ہے، نہ ہی اپنی بات کی بیچ یا ضد سے بلکہ آپ تو ہر حالت میں امن و صلح کو بطریق اولیٰ ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کو جس کا اعلان بھی فرما چکے ہیں ملتوی کرنے کو تیار ہیں حالانکہ صلح سے چند ساعت قبل صحابہ کرامؓ سے بیعت رضوان یا قتال فی سبیل اللہ کا نیا عہد بھی لے چکے ہیں غرضیکہ آنحضرت صلعم کی ذات اقدسؐ کے برخلاف جو الزامات از راہ تعصب و عداوت پھیلائے گئے تھے کہ نعوذ باللہ یہ جبر آپ دین کو منوانے کے قائل ہیں یا یہ کہ آپ جنگجویانہ ذہنیت کے مالک اور ہوس اقتدار و سلطنت کے طالب ہیں۔ ان سب کا ازالہ اس صلح عظیم نے کر دیا کیونکہ ان الزامات کی تہ میں اگر ذرہ بھر صداقت ہوتی تو ایسا شخص اپنے صحابہؓ کے برخلاف کیسے ان شرائط کو مان سکتا تھا؟ غرضیکہ خود اس صلح کی بظاہر ذلت آمیز شرائط ان الزامات کی تردید پر کھلی دلیل بن گئیں۔ اس طرح قبولیت اسلام کے بند دروازے کھل گئے۔

امورِ غیب پر قطعی و یقینی شہادت

خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات، عالم معاد کے حقائق و سربستہ راز، ملائکہ کا وجود، خدا تعالیٰ کا اپنے کامل بندے سے خارجی ہمکلامی کا معاملہ۔ یہ سب امور غیب کی باتیں ہیں جن پر انسانی حواس کماحقہ احاطہ پانے سے قاصر ہیں مگر یہ ایک حیرت انگیز تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت

صلعم کی عظیم قوت قدسیہ روحانیہ، آپ کی خارق عادت تاثیر اور اخلاق عالیہ کے کمالات کے باعث صحابہ کرامؓ کی پاک جماعت کے قلوب ان امور غیبیہ کے بارہ میں قطعی متیقن ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ مجسم و متشکل ہو کر آپ کے سامنے آجائے تو آپ کے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔

کفار کے بالمقابل جب شام اور ایران کی جنگوں میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی پہلوان میدان کارزار میں جاتا تو تاریخ اسلامی کے اوراق ایسے اقوال سے بھرے پڑے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں سے الوداع کہتے وقت یہ بھی سوال کرتا کہ اگر کسی نے کوئی بات آنحضرت صلعم سے کہنی ہو تو وہ اپنا پیغام اسے دے دیں کیونکہ تھوڑے عرصہ بعد وہ جامِ شہادت نوش کر کے آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہے۔ جائے غور ہے کہ کسی قدر عظیم یقین عالمِ آخرت کے اموراور آنحضرت صلعم کی ملاقات کا صحابہ کرامؓ کے دلوں میں گڑ گیا تھا کہ اس دنیا کی زندگی اور اس کے حقائق پر بھی فوقیت لے گیا تھا۔ ایمان بالغیب کے امور پر ایسا ہی قطعی یقین صحابہ کرامؓ کی جماعت کے قلوب میں گھر کر گیا تھا جس کے باعث وہ نہ صرف اپنے اموال و جائیداد بلکہ اپنی جانیں خدا کی راہ اور بنی نوع کو ظلم و ضلالت سے نجات دلانے کے لئے ذبح کرانے کے لئے خوشی سے پیش کر رہے تھے۔

اسی شہادت کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے جب یہ فرمایا: ”امورِ غیب پر تمہارے لئے یہ رسولؐ شہادت دیتا ہے اور تم اس یقین کو لے کر پھر دنیا میں بنی نوع انسان کے لئے شہادت پیش کرتے ہو“۔ یہ عظیم الشان معجزہ اور حیرت انگیز معمہ ہے کہ ایسے مخفی و نہاں غیر مرئی امور غیب پر ایسا حتمی یقین پیدا کر دیا جائے کہ وہ اس دنیا کے لذائذ و محسوساتِ امور مادیہ پر بھی سبقت لے جائے۔

اسی خارق عادت یقین عمل کا نام قرآن کریم میں مومنوں کی تائید بذریعہ روح القدس کرنا بتلایا گیا ہے۔

دوبارہ یقین پیدا کرنے کی ضرورت

سورۃ فتح کی دوسری آیت پر غور کیجئے تو یہاں یہ امر موجود ہے کہ ماتقدم من ذنبک و ما تاخر ۔ کچھ الزام اور غلط فہمیاں تو اس وقت کفار مکہ نے پھیلا رکھی تھیں لیکن یہاں یہ ذکر ہے کہ کچھ مزید الزامات اور غلط فہمیاں آنحضرت صلعم کے برخلاف آخری زمانہ میں بھی پھیلائی جائیں گی۔ آخری زمانہ کے یہ الزامات وہی ہیں جو دجال نے اسلام کے برخلاف پھیلا رکھے ہیں یعنی یہ کہ دین اسلام کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مذہب جبر و استبدادیت کا دین ہے چنانچہ پہلے وقتوں میں بھی یہ دین بذریعہ تلوار پھیلایا گیا تھا اور آخری زمانہ میں بھی خونی مہدی کے ذریعہ اس دین کا فروغ ہوگا نیز یہ الزام بھی ہے کہ اس دین کا فروغ سلطنت و حکومت کا طالب ہے۔ اس دین میں روحانیت اور اخلاق عالیہ کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کے بالمقابل عیسائی مذہب کی روح اس کے برعکس اعلیٰ اخلاق حمیدہ اور روحانی طلب پر ہے۔ جس پر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی و نمونہ شاہد ہے۔ غرضیکہ ہمارے اس آخری زمانہ میں دین اسلام اور آنحضرت صلعم کے برخلاف جس قدر رشد و مدّ سے ایسے الزامات کی تشہیر کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے کہ ہر ایک پر روشن و ظاہر ہے۔ انہی کو فرقانی آیت میں ماتقدم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض و غایت، آنحضرت صلعم اور دین اسلام کے برخلاف ان دو غلط الزاموں سے بریت ثابت کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ یہ دو الزام کیا ہیں؟

(۱): دین اسلام جبر و تشدد کا دین ہے جس میں ضمیر کی آزادی کو سلب کر لیا گیا ہے، اعتقادات و ایمانیات کو یہ جبر تسلیم کرایا جاتا ہے اور بہ جبر مسلمان بنایا اور رکھا جاتا ہے۔

(۲): آنحضرت صلعم نعوذ باللہ بجائے ایک روحانی و اخلاقی شخصیت کے مادہ پرست و شہوانی انسان تھے۔ ان الزامات کو ایسے وسیع پیمانہ پر پھیلایا گیا اور واقعات کو اس طرح توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے کہ بعض مسلمان بھی ان کو درست

تسلیم کرنے لگ پڑے بعض علماء نے بھی غلط فہمی کے ماتحت مختلف رنگوں میں ان الزامات کی تائید کر کے دجال کو تقویت پہنچانے کے سامان کیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ میں پہلے انسان ہیں جنہوں نے اسلام کے اس عظیم اصول کو دوبارہ زندہ کیا کہ قرآن کریم نہ صرف جبر و تشدد کے برخلاف ہے بلکہ یہ کہ اس کے نزدیک عقل و علم ہی کسی امر کو جانچنے اور پرکھنے کا معیار ہے نیز یہ کہ یہ امتیاز صرف فرقان کو حاصل ہے کہ جس امر کو یہ کتاب تسلیم کرانا چاہتی ہے اس پر قوانین فطرت اور عقل و علم سے دلائل بھی ساتھ دیتی جاتی ہے تا کہ انسانی ذہن روشن ہو کر ان امور کو قبول کرے نہ کسی کے محض کہنے یا بزور و جبر سے۔ آپ نے ایسے دلائل دیئے کہ جن سے صداقت تعلیم فرقان اور حقیقت نبوت حضرت خیر الانام ثابت ہیں۔ یہ تمام و کمال اپنی پہلی عظیم کتاب ''براہین احمدیہ'' میں جمع کر دیئے ہیں۔

پھر جب آپ کو یہ منظور ہوا کہ ایک جماعت کو دجال کے ایسے الزامات کی تردید پر لگایا جائے تو اس وقت جو کتاب آپ نے لکھی اس کا نام بھی ''فتح اسلام'' رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد دوبارہ فتوحات اسلام کو لانا تھا مگر یہ فتوحات ملکی و وطنی یا عسکری اور حکومتی بنیادوں پر نہ رکھی گئی تھیں۔ بلکہ صلح حدیبیہ کی مانند ان کی بناء دجال کے الزاموں کو غلط ثابت کر کے ''دین اسلام'' کو ایمانی و اخلاقی اقتدار کا مذہب ثابت کرنا ہے چنانچہ آپ ''آئینہ کمالات اسلام'' میں فرماتے ہیں:

اس زمانہ میں مذہب اور علم کی زبردست جنگ جاری ہے۔ علم و سائنس نے بنیادی مسائل مذہب مثلاً خدا کی ہستی اور صفات وحی الٰہی کی خارجی حقیقت، عالم معاد اور اخروی زندگی، ملائکہ کو اس زمانہ کا علم تسلیم نہیں کرتا۔ اس سرگرم لڑائی میں مسلمانوں نے ان وساوس و الزامات کا دفعیہ کرنا ہے جو دجال نے اس دین پر لگائے ہیں۔ اسلام کی فتح و اقبال کے دن نزدیک ہیں مگر یہ فتح روحانی ہے وغیرہ۔ صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت صلعم نے مظلوم و محروم ہونے کے باوجود ایسی شرائط کو مان لیا تھا جو صحابہ کرامؓ کو ناقابل قبول تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ امن کی فضاء پیدا ہو کر اسلام اور آنحضرت صلعم کے محاسن اُجاگر ہوں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی دجالی علم و تہذیب کو دلائل و براہین سے باطل ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ نیز امور غیبیہ پر سے مسلمانوں کا جو ایمان جاتا رہا ہے اسے اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر پیدا کرنا ان کی غرض و غایت ہے۔ ایمان بالغیب کے امور پر اسی قسم کا حتمی ایمان جیسے صحابہ کرامؓ کے قلوب میں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

جس جہاد زمانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو لگایا وہ جہاد بالنفس اور جہاد بالقرآن کا ہے کہ ملکی یا قومی جہاد۔ فتح مبین کے نظارے بھی اس جہاد یقین سے آپ کے خادموں نے دکھلا دیئے ہیں، جس کے باعث اب عالم اسلام بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے چنانچہ علامہ اقبال صاحب نے اسے تسلیم کر کے کہا:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

احیاء اسلام یا مسلمانوں کا اپنے دین کی طرف رجوع یعنی قرآن و سنت رسولؐ کی طرف واپس آنا اب مسلمہ اصول تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ ایک عالم کو اسلام کے اصولوں کی طلب ہے، دنیا کی نجات اس کے بغیر ممکن نہیں اور یہ امور مقدر ہو چکے ہیں۔ یہ ہو کر رہنے والی تقدیر اور اٹل معاملات ہیں۔

یہ صرف ہمارے اپنے لئے باعث برکت بات ہے اگر ہمارے قلوب جہادِ زمانہ کی کامیابی پر متیقن ہو کر اس مقصد کی انجام دہی میں کچھ حصہ لے لیں۔

☆☆☆☆

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔اس کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ۔اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا

محاسبہ الٰہی کا خوف انسان کو بدیوں سے باز رکھتا اور اس میں طہارت نفس پیدا کرتا ہے

فرمودہ حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۷۶ء

ترجمہ: ''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ، اللہ اس کا تم سے حساب لے گا، پھر وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن (بھی) سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی، اے ہمارے رب تیری حفاظت چاہیے اور تیری طرف ہی انجام کار پہنچنا ہے''۔(البقرۃ ۲: ۲۸۴-۲۸۵)

فرمایا: سورۃ البقرہ قریباً 1/2 2 پاروں پر مشتمل ہے۔اس کے ۴۰ رکوع اور ان میں ۲۸۶ آیات ہیں ان میں ان تمام معاملات کا ذکر ہے جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔ان تمام امور کی تلقین ہے جو انسانیت کے لئے ازبس ضروری ہیں۔اس میں حکام کے لئے احکام ہیں۔اور رعیت کے لئے بھی ہدایات ہیں۔انسانی سیرت وکردار اور معاشرہ کی راہبری بھی اس میں کی گئی ہے۔لله ما فی السمٰوات و ما فی الارض۔یعنی یہ اس بادشاہ کی طرف سے احکامات ہیں جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔جس کو کائنات کی ہر شے کا علم ہے خلق کل شی وھو بکل شی علیم۔چونکہ اللہ ہر چیز کا موجد و خالق ہے۔اس وجہ سے ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔وان تبدو ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔اور تم کتنا بھی اخفا سے کام لو، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

اس تلقین اور فہمائش کا مقصد انسان میں کردار کی بلندی پیدا کرنا ہے کیونکہ جب تک محاسبہ الٰہی کا خوف دل میں نہ ہو پاکیزگی اور طہارت نفس حاصل نہیں ہوسکتی۔ہمیں اپنے دل میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم کس حد تک انسانوں سے برتاؤ میں اور زندگی کے دیگر معاملات، تجارت، ملازمت اور حکومت میں کہاں تک خدا تعالیٰ کا خوف ملحوظ رکھتے ہیں۔آگے فرماتا ہے امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون۔یہ رسول اور اس کے ساتھی ایمان لاتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے اس کے رسول (یعنی محمد صلعم) پر اتارا گیا ہے۔پھر اس کے فرشتوں، کتابوں اور تمام کے تمام رسولوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

ان آیات میں بین الاقوامی اتحاد کا ایک قابل عمل اور کارگر نسخہ بتایا ہے کہ مختلف قوموں کی طرف مختلف ادوار میں مبعوث شدہ پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لایا جائے۔ان ہدایات پر عمل کرنے سے آج بھی مختلف المذاہب اور اقوام کی باہمی دشمنی ختم ہوسکتی ہے۔لانفرق بین احد من رسله۔فرمایا صرف محمد صلعم کو ہی ماننا کافی نہیں ہے بلکہ تمام دوسرے نبیوں اور رُسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ پہلی قوموں کی جانب بھی رسول بھیجے گئے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوئے تھے جو ان خدا کے فرستادوں نے اپنی اپنی قوموں تک پہنچائے۔حضور صلعم کی اس تعلیم سے انسانوں کے دلوں میں وسعت پیدا کرنا اور بین الاقوامی نفرت وتعصب دور کرنا مقصود ہے۔اس لحاظ سے بھی حضور صلعم ساری دنیا کے لئے رحمت ہیں۔

آگے آتا ہے ''اے ہمارے رب، ہم نے سنا اور تعمیل حکم کی۔پھر بھی ہمارے عمل میں اگر کوئی کمزوری اور کوتاہی رہ گئی ہے تو مغفرت سے کام لیجیو۔ہماری پردہ پوشی فرمائیو۔آخر تیرے ہی دربارہ میں حاضر ہونا ہے۔اے مولا ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے نیک اور فرمانبردار بندے بن سکیں اور تیری رضا کو پاسکیں، نیز ہر ایسی

لغزش سے ہماری حفاظت فرمائیو جو تیرے عتاب کا موجب ہو“۔

اسلام کی تعلیم کا مقصد قوموں کے انفرادی اور اجتماعی کردار کو بلند کرنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ حضور صلعم نے عرب جیسی اجڈ اور وحشی قوم کو مہذب اور باخدا قوم بنا دیا۔ جو اپنے افعال و کردار میں ساری دنیا سے ممتاز ہوگئی۔ حضور صلعم کے صحابہؓ جہاں جہاں گئے اپنے حسنِ عمل اور بلند کردار سے انسانی قلوب کو فتح کرتے چلے گئے۔

آپ کو بھی اپنے اعمال سے، افعال سے بلند خیال، نیک کرداری اور وسیع النظر فی سے اسلام کی زندہ مثال بننا چاہیے۔ جو کوئی بھی جہاں جہاں ہے اپنا عمدہ نمونہ پیش کرے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ ہر مسلمان، مرد و عورت کے دِل کو روشن کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کے اس مقصد کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے تاکہ نیتیں صاف اور خیالات پاک ہوں، اور اتباعِ رسولؐ کا آپ عملی نمونہ پیش کرسکیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زندہ عملی نمونوں سے ہی کسی قوم کی عملی اصلاح اور اخلاقی تربیت ہوتی ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے پاک شدہ لوگ اس امت میں مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ ایسے کامل اور بلند مرتب اشخاص مجدد کے مرتبہ عظیمہ پر فائز ہوتے ہیں اور ان کی ذاتی زندگیاں اسلام کی صداقت پر ایک دلیل اور برہانِ قاطع ہوا کرتی ہیں۔

اس زمانہ میں ایک امام آیا جسے قبول کرنے اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کی خدا تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی۔ آپ نے اس مردِ خدا کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا۔ اب اس عہد کو صدق دل سے نبھانا اور اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی میں اسلام کو عملاً نافذ کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔ تبلیغ و اشاعت کی اصل غرض و غایت اخلاق حسنہ اور صفات محمودہ کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔

آج ساری دنیا میں فساد برپا ہے۔ اٹھو اور اخلاقی میدان میں جماعتی طور پر اپنی پاکیزگی و طہارت کے نمونے دنیا کو دکھلاؤ۔ تاکہ مخالف بھی کہہ اٹھیں کہ اسلام کا سچا نمونہ انہی لوگوں کے پاس ہے۔ اور صاف باطنی میں بھی یہ لوگ باکمال ہیں۔

اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین

وفات حسرت آیات

پشاور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر بہت دُکھ ہوگا کہ محترم بزرگ و بھائی صاحبزادہ محمد حلیم صاحب کی زوجہ محترمہ پشاور میں انتقال فرما گئی ہیں۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

اللہ تعالیٰ **مرحومہ** کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

بدوملہی

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر بہت دُکھ ہوگا کہ نوید احمد (واعظ کراچی) کے نومولود بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے۔ جس کی عمر صرف 2 ماہ تھی۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

اللہ تعالیٰ بچے کے والدین اور خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

فیصل آباد

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر بہت دُکھ ہوگا کہ ہمارے محترم بھائی انور علی صاحب کے والد محترم فیصل آباد میں انتقال فرما گئے ہیں۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

تذکرۃ الشہادتین

سوال و جواب کی صورت میں

از: محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ

سوال نمبر (۱): حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''تذکرۃ الشہادتین'' کب تصنیف ہوئی؟

جواب یہ کتاب 1903ء کی تصنیف ہے۔

سوال نمبر (۲): اس کتاب کے کتنے حصے ہیں؟

جواب اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اُردو اور حصہ عربی۔

سوال نمبر (۳): حصہ عربی تین رسائل پر مشتمل ہے ان کے نام کیا ہیں؟

جواب پہلا رسالہ ''الوقت وقت الدعاء لاوقت الملاھم'' دسرا رسالہ ''ذکر حقیقت الوحی وذرائع حصول'' تیسرا رسالہ ''علامات المقربین''

سوال نمبر (۴): حصہ اُردو میں کیا درج ہے؟

جواب حصہ اُردو حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف رئیس اعظم خوست اور ان کے شاگرد رشید میاں عبد الرحمٰن صاحب کی شہادت کے واقعات پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر (۵): دونوں شہادتوں کے واقعات آپ کے کس الہام کے مطابق ظہور میں آئے؟

جواب شَاتَانِ تذ بحَانِ کُلُّ مَنْ عَلَیھَا فَانٍ

سوال نمبر (۶): یہ الہام حضرت صاحب کی کس کتاب میں درج ہے؟

جواب یہ الہام حضرت صاحب کی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں درج ہے۔

سوال نمبر (۷): یہ کتاب ان شہادتوں کے واقعات سے کتنی دیر پہلے لکھی گئی تھی؟

جواب یہ کتاب شہادت کے واقعات سے تقریباً 22/23 برس پیشتر لکھی گئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ حضورؑ کی صداقت کا بہت بڑا نشان ہے۔

سوال نمبر (۸): حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ کونسی خصوصیات تھیں جو صاحبزادہ صاحب کی قبولیت احمدیت کا باعث بنیں؟ اور جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مشابہت ثابت ہو؟

جواب (۱) موعود ہونے کی خصوصیات۔ اسلام میں ہزاروں ولی اللہ اور اہل اللہ گذرے ہیں مگر ان میں کوئی موعود نہیں تھا۔ لیکن وہ جو مسیح کے نام سے آنے والا تھا وہ موعود تھا۔

(۲): سلطنت کے برباد ہونے کی خصوصیات۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ دن پہلے ملک سے اسرائیل سلطنت جاتی رہی۔ ایسا ہی اس آخری مسیح کی پیدائش سے پہلے اسلامی سلطنت طرح طرح کی بدچلنیوں کی وجہ سے ہندوستان سے اٹھ گئی تھی اور اس کی جگہ انگریزی سلطنت قائم ہوگئی تھی۔

(۳): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہود بہت سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور ایک حکم کے محتاج تھے تا ان میں فیصلہ کرے۔ ایسا ہی آخری مسیح کے وقت میں مسلمانوں کے کثرت سے فرقے پھیل گئے۔

(۴): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے معمور نہ تھے۔ ایسا ہی آخری مسیح جہاد کے لئے مامور نہیں۔ کیونکہ زمانہ کی رفتار نے قوم کو متنبہ کر دیا ہے کہ تلوار سے کوئی دل تسلی نہیں پاتا۔ اس لئے اب مذہبی امور کے لئے کوئی مذہب تلوار نہیں اٹھاتا۔ زمانہ خود گواہی دیتا ہے کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو خونی مہدی کے منتظر ہیں وہ سب غلطی پر ہیں اور عقل بھی یہی گواہی دیتی ہے کیونکہ اگر خدا مذہب کے لئے جنگ چاہتا تو موجودہ وضع کی لڑائیوں کے لئے سب سے فائق مسلمان ہوتے، توپوں کی ایجاد کرتے، نئی نئی بندوقوں کے موجد ہوتے اور فنونِ حرب میں ہر پہلو سے کمال بخشا جاتا، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دن بدن عیسائی ان باتوں میں ترقی کر رہے ہیں۔ اس لئے خدا کا منشا نہیں کہ لڑائیوں کے ذریعہ اسلام پھیلے۔ خدا تعالیٰ محض دلائل کے ہتھیار سے عیسائی تثلیث کے عقیدہ کو زمین پر سے نابود کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے آسمان سے حربی فتوحات کے لئے دلائل کی علامات ظاہر ہوئی ہیں۔

(۵): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یہودیوں کا چال چلن بگڑ گیا تھا۔ ان کے علماء سخت مکار، دنیا پرست، دنیاوی لالچوں اور عزتوں میں غرق ہو گئے تھے۔ ایسی ہی اسلام میں علماء کی حالت ہے۔

(۶): حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح قیصرِ روم کے ماتحت مبعوث ہوئے تھے۔ آخری مسیح موعود علیہ السلام بھی قیصر کی عملداری کے تحت مبعوث ہوئے۔

(۷): عیسائی مذہب آخری قیصری قوم میں گھس گیا۔ اس میں بھی آخری مسیح کا اشتراک ہے۔ کیونکہ یورپ اور امریکہ میں اسلامی تعلیم کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔ یسوع مسیح کو خدا بنانا بڑی غلطی سمجھا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں عیسائی مذہب خود بخود برف کی طرح پگھلتا جاتا ہے۔

(۸): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ایک ستارہ نکلا تھا۔ وہی ستارہ مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں بھی نکلا۔

(۹): یسوع مسیح کو جب صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا۔ سو اس واقع میں خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شریک کیا کیونکہ جب آپ کی تکذیب کی گئی تو نہ صرف سورج کو بلکہ چاند کو بھی گرہن لگا۔

(۱۰): یسوع مسیح کو دُکھ دینے کے بعد یہودیوں میں سخت طاعون پھیلی تھی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بہت طاعون پھیلی۔

(۱۱): حضرت عیسیٰ علیہ السلام یسوع مسیح پر مذہبی تعصب کی وجہ سے مقدمہ چلایا گیا اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وہ سلطنت روم کا مخالف اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ علماء نے کوشش کی کہ وہ باغی قرار پائے۔ اس پر مقدمہ بنایا گیا اور زور لگایا گیا کہ اس کو سزائے موت دی جائے۔ اس قوم کے مقدمہ میں بھی قضا و قدر نے حضرت مسیح علیہ السلام کو شریک کیا کہ ایک خون کا مقدمہ آپ پر بھی کیا گیا اور باغی بنانے کی کوشش کی گئی جس میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی گواہ بن کر آئے تھے۔

(۱۲): بارھویں خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ جب وہ صلیب پر چڑھایا گیا تو اس کے ساتھ ایک چور بھی صلیب پر لٹکایا گیا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں: ''سو اس واقع میں بھی میں شریک کیا گیا ہوں کیونکہ جس دن مجھ کو خون کے مقدمہ سے رہائی ملی۔ اس دن میرے ساتھ ایک عیسائی چور بھی عدالت میں پیش کیا گیا۔ یہ چور عیسائیوں کی مقدس جماعت مکتی فوج میں سے تھا۔ جس نے کچھ روپیہ چرا لیا تھا۔ اس چور کو صرف تین مہینہ کی سزا ملی۔

(۱۳): تیرھویں خصوصیت مسیح میں یہ تھی کہ جب وہ پیلاطوس گورنر کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا موت کی درخواست کی گئی تو پیلاطوس نے کہا کہ میں اس کا کوئی گناہ نہیں پاتا جس سے یہ سزا دوں۔ ایسا ہی کپتان ڈگلس صاحب ضلع مجسٹریٹ نے میرے ایک سوال کے جواب میں مجھ کو کہا کہ میں آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا''۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں ہے کہ کپتان ڈگلس اپنی استقامت اور عادلانہ شجاعت میں پیلاطوس سے بہت بڑھ کر تھا۔ کیونکہ پیلاطوس نے آخر کار بزدلی دکھائی اور یہودیوں کے شریر مولویوں سے ڈر گیا۔ مگر ڈگلس ہرگز نہ ڈرا۔ اس کو مولوی محمد حسین نے کرسی مانگ کر کہا کہ میرے پاس لفٹیننٹ گورنر کی چھٹیاں ہیں مگر کپتان ڈگلس نے اس کی ذرا پروانہ کی اور میں باوجود یکہ ملزم تھا مجھے کرسی دی''۔

(۱۴): چودھویں خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا۔ مگر موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا۔ جو موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ ایسا ہی میں خاندان قریش میں سے نہیں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں۔ اور سب سے آخر ہوں''۔

(۱۵): پندرھویں خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ تھی کہ ان کے عہد میں دنیا کی وضع جدید ہو گئی تھی۔ سڑکیں ایجاد ہو گئیں تھیں۔ ڈاک کا عمدہ انتظام ہو گیا تھا۔ فوجی انتظام میں بہت صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ مسافروں کے آرام کے لئے بہت کام ہو گیا تھا اور پہلے کی نسبت قانون عدالت نہایت صاف ہو گیا تھا۔ ایسا ہی میرے وقت میں دنیا کے آرام کے اسباب بہت ترقی کر گئے ہیں۔ ریل کی سواری پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی خبر قرآن شریف میں پائی جاتی ہے''۔

(۱۶): سولھویں خصوصیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں یہ تھی کہ بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ حضرت آدم سے مشابہ تھے۔ ایسا میں بھی توام پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے مشابہ ہوں۔

سوال نمبر(۹): تمام نبیوں کی کتابوں کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی کیا کیا نشانیاں ہیں؟

جواب نشان(۱): آدم کے چھٹے ہزار کے آخیر میں مسیح موعود آئے گا۔

نشان (۲): مسیح موعود کی آمد سے پہلے ذوالسنین ستارہ نکلے گا۔

نشان (۳): اس کے ایام میں سورج اور چاند کو ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا مہینہ ہوگا گرہن لگے گا۔

نشان (۴): اس کے زمانہ میں جوش سے طاعون پھیلے گی۔اس کی خبر انجیل میں بھی موجود ہے۔

نشان (۵): اس کے زمانہ میں نئی سواری پیدا ہوگی جو آگ سے چلے گی اور اپنی دنوں میں اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔یہ آخری حصہ حدیث مسلم میں بھی ہے سو وہ سواری ریل ہے۔

نشان (۶): مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا۔حضرت صاحب فرماتے ہیں: ''ان تمام نشانوں کے بعد جو شخص مجھے رد کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ تمام نبیوں کو رد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے۔اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔خوب یاد رکھو کہ تمام خرابی اور تباہی جو اسلام میں پیدا ہوئی یہاں تک کہ اس ملک ہندوستان میں 29 لاکھ انسان مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔حالانکہ مسیح عیسیٰ ایک عاجز انسان تھا۔اگر مسلمان حضرت عیسیٰ کی نسبت قرآن کے قول پر چلتے اور ان کو وفات یافتہ مانتے اور یقین رکھتے تو اسلام میں یہ تباہی نہ آتی جو آگئی اور عیسائیت کا جلد خاتمہ ہو جاتا'' یہ وہ باتیں تھیں جو میں نے صاحبزادہ عبد الطیف صاحب سے کیں اور وہ امر جو آخر میں ان کو سمجھایا وہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مذہبی پہلو کی رو سے سولہ خصوصیات ہیں''۔

سوال نمبر (۱۰): اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا حضرت مسیح موعودؑ نے مندرجہ بالا آیت کی تشریح کیسے کی ہے؟

جواب یہ سورۃ مزمل کی آیت نمبر 16 ہے جس کے معنی ہیں کہ ہم نے ایک رسول کو جو تم پر گواہ ہے تمہاری طرف اس رسول کی مانند بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔اس آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو مثیل موسیٰ ٹھہرایا ہے۔نیز آپ فرماتے ہیں کہ سلسلہ خلافتِ محمدیہ اور سلسلہ خلافتِ موسویہ دونوں سلسلوں کے اوّل اور آخر میں مشابہت ہونا ضروری ہے تاکہ اس سلسلہ کے اوّل پر مثیل موسیٰ ہو اور اس سلسلہ کے آخر میں مثیل عیسیٰ ہو کیونکہ قرآن شریف نے آنحضرت صلعم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے نہ صرف مثیل موسیٰ قرار دیا ہے بلکہ آیت **كما استخلف الذين من قبلهم** (نور آیت ۵۶) تمام سلسلہ خلافتِ محمدیہ کو سلسلہ کے آخر میں ایک مثیلِ عیسیٰ پیدا ہو۔چونکہ اوّل و آخر کی مشابہت ثابت ہونے سے تمام سلسلہ کی مشابہت ثابت ہو جاتی ہے۔اس لئے خدا کے پاک نبیوں کی کتابوں میں انہی دونوں مشابہتوں پر زور دیا گیا ہے۔بلکہ اوّل و آخر دشمنوں میں بھی مشابہت ثابت کی گئی ہے۔

سوال نمبر (۱۱): **غیر المغضوب علیھم** میں کون لوگ مراد ہیں؟ تشریح کیجئے۔

جواب اس آیت میں باتفاق کل مفسرین **مغضوب علیھم** سے مراد وہ یہود ہیں جن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے غضب نازل ہوا۔احادیث صحیحہ میں **مغضوب علیھم** سے مراد وہ یہود ہیں جو موردِ غضب الٰہی میں دنیا میں ہی ہوئے تھے۔قرآن شریف یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ یہود کو یہود کو مغضوب علیھم ٹھہرانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت جاری ہوئی تھی۔

پس یقین اور قطعی طور پر **مغضوب علیھم** سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر ہلاک کرنا چاہا۔اب خدا کا یہ دعا سکھانا کہ خدایا ایسا کر کہ ہم وہ یہود نہ بن جائیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا۔صاف بتا رہا ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی ایک عیسیٰ پیدا ہونے والا ہے۔ورنہ اس دعا کی کیا ضرورت تھی۔نیز مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں بعض مسلمان علماء بالکل علماء یہود کے مشابہ ہو جائیں گے۔اور یہود بن جائیں گے۔اگر یہ سچ ہے کہ کسی زمانہ میں اکثر علماء اس امت کے یہودی بن جائیں گے یعنی یہودی خصلت ہو جائیں گے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان یہود کے درست کرنے کے لئے عیسیٰ باہر سے نہیں آئے گا بلکہ جیسا کہ بعض افراد کا نام یہود رکھا گیا ہے ایسا ہی اس کے مقابل پر ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھا جائے گا۔

اس بات سے انکار نہیں کہ قرآن و حدیث دونوں نے بعض اس امت کے افراد کا نام یہود رکھا۔جیسا کہ آیت **غیر المغضوب علیھم** سے ظاہر ہے کیونکہ اگر بعض افراد اس امت کے یہودی بننے والے نہ ہوتے تو مذکورہ بالا دعا ہرگز نہ سکھائی جاتی۔

سوال نمبر (۱۲): قرآن و حدیث دونوں نے امتِ مسلمہ کے بعض علماء اور

افراد کا نام یہود رکھا ہے کیوں؟ وضاحت کریں۔

جواب قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ ایک مکمل دعا ہے۔ اس سورۃ کی سات آیتیں ہیں۔ پہلی چار آیات خدا تعالیٰ کی ربوبیت، رحمانیت، مالکیت کا ذکر ہے اور ان خدائی صفات کو اپنے اندر جذب کرنے اور خدا کے فضل سے راہنمائی اور عمل کی توفیق کی دعا سکھائی ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا ہمیں ایسے کاموں کی توفیق نہ دے جس سے خدا ناراض ہو اور ہم اس کے غضب کا نشانہ بنیں۔ خدا کے غضب کا نشانہ کون لوگ بنتے ہیں؟ وہی جنہوں نے خدا کے ایک برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا اور سچائی کو جھٹلایا۔ یہ گروہ منکرین قبیلہ یہود سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے وہ خدا کے غضب کا نشانہ بنے۔ خدا فرماتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ بیشتر مسلمان یہود صفت ہو جائیں گے۔ جس طرح یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی طرح آخری زمانہ میں مسلمان علماء یہود صفت ہو جائیں گے اور مثیل عیسیٰ یعنی آنحضرت صلعم کی امت کے آخری خلیفہ جو مسیح موعود کہلائیں گے ان کا انکار کریں گے اس لئے خدا کے غضب کا موجب ہوں گے۔ یہ دعا اس لئے سکھائی تا ہم ان مغضوب علیھم گروہ میں شامل نہ ہو جائیں۔ بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے مسیح موعود کی پیروی کر کے نجات حاصل کریں اور خدا کے غضب سے بچیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''جب خدا تعالیٰ کسی کتاب میں کسی قوم یا جماعت کو ایک برے کام سے منع کرتا ہے یا نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کے علم قدیم میں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے حکم کی مخالفت بھی کریں گے پس خدا تعالیٰ کا سورۃ فاتحہ میں یہ فرمانا کہ تم دعا کیا کرو کہ تم وہ یہودی نہ بن جاؤ جنہوں نے عیسیٰ کو سولی دینا چاہا تھا۔ جس سے دنیا میں ہی ان پر غضب الٰہی کی مار پڑی۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ مقدر تھا کہ بعض افراد اس امت کے جو علماء امت کہلائیں گے اپنی شرارتوں اور تکذیب مسیح وقت کی وجہ سے یہودیوں کا جامہ پہن لیں گے ورنہ ایک لغو دعا سکھانے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس امت کے علماء اس طرح کے یہودی نہیں بن سکتے جیسے اسرائیلی یہودی تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں نہ وہ یہودی موجود ہیں اور نہ وہ عیسیٰ۔ البتہ اس امت میں عیسیٰ مسیح کے رنگ میں آخری زمانہ میں ایک شخص مبعوث ہوگا اور اس وقت کے بعض علماء اسلام ان یہودی علماء کی طرح اس کو دکھ دیں گے جو عیسیٰ کو دکھ دیتے تھے۔ اور ان کی شان میں بدگوئی کریں گے بلکہ بظاہر مسلمان کہلائیں گے مگر ان کے دل مسخ ہو کر ان یہودیوں کے رنگ میں رنگین ہو جائیں گے جو حضرت عیسیٰ کو دکھ دے کر مورد غضب الٰہی ہوئے تھے۔

سوال نمبر (۱۳): کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خاص کر ان یہودیوں کا نام مغضوب علیھم رکھا جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی دینا چاہا؟

جواب یاد رہے کہ ان یہودیوں کو مغضوب علیھم کی خصوصیت اس لئے دی گئی کہ دنیا میں ہی ان پر غضب الٰہی نازل ہوا تھا۔ اور اسی بنا پر سورۃ فاتحہ میں اس امت کو یہ دعا سکھائی گئی کہ خدایا ہم وہ یہودی نہ بن جائیں۔ یہ ایک پیشگوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ جب اس امت کا مسیح مبعوث ہوگا تو اس کے مقابل پر وہ یہودی بھی پیدا ہو جائیں گے جن پر اس دنیا میں خدا کا غضب نازل ہوگا پس اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ تم میں بھی ایک مسیح پیدا ہوگا اور اس کے مقابلے میں یہود بھی پیدا ہوں گے جن پر دنیا میں ہی غضب نازل ہوگا۔ سو تم دعا کرو کہ تم ایسے یہود نہ بن جاؤ جن پر دنیا میں عذاب کی مار پڑی تھی۔ یعنی اوّل سخت طاعون سے وہ ہلاک کئے گئے تھے۔ وہ لوگ جو مسلمانوں میں سے یہودی کہلائیں گے وہ بھی ایک مسیح کی تکذیب کریں گے جو اس پہلے مسیح کے رنگ پر آئے گا۔ یعنی نہ وہ جہاد کرے گا اور نہ تلوار اٹھائے گا اور اس آخری مسیح کی تکذیب کے بعد بھی طاعون پھیلے گی اور وہ ساری باتیں پوری ہوں گی جو ابتداء سے سب نبی کہتے چلے آئے ہیں اور یہ وسوسہ کہ آخری زمانہ میں وہی مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئے گا یہ تو قرآن شریف کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کو امت موسوی کے بالمقابل پیدا کیا ہے۔ ان کی اچھی باتوں کے بالمقابل اچھی باتیں دی ہیں اور ان کی بری باتوں کے مقابل پر بری باتیں۔ اس امت میں بعض ایسے ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مغضوب علیھم یہود سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ امت کسی اسرائیلی نبی کی محتاج نہیں۔ ہر ایک کامل جو اس امت کے لئے آتا ہے وہ آنحضرت صلعم کے فیض سے پرورش یافتہ ہے۔ اور اس کی وحی محمدی وحی کی ظل ہے۔ آنحضرت صلعم سے آسمان پر چڑھنے کی درخواست کی گئی مگر وہ یہ کہہ کر نامنظور کی گئی کہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً۔ تو کیا عیسیٰ بشر نہ تھا۔ قرآن شریف سے تو صرف رفع الی اللہ ثابت ہے جو ایک روحانی امر ہے۔ نہ کہ دفع الی السماء۔ جو شخص مصلوب ہو اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ عیسیٰ کا بھی دوسرے نبیوں کی طرح رفع ہوا ہے۔ نجات کے لئے مع جسم آسمان پر جانا شرط نہیں۔ صرف روحانی رفع شرط ہے۔ قرآن شریف اور تمام حدیثوں میں توفی کا لفظ قبض روح کے بارہ میں استعمال ہوا ہے۔

سوال نمبر (۱۴): آنحضرت صلعم کی وفات پر جبکہ تمام صحابہ کرام غم سے نڈھال تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن پاک کی کونسی آیت پڑھ کر سب کو تسلی دی کہ موت برحق ہے اور کوئی نبی نہیں جواب تک زندہ ہے؟

جواب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن شریف کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 145 پڑھی جس کا مطلب ہے کہ حضرت احمد صلعم ایک رسول تھے جو فوت ہوگئے اسی طرح جس طرح اس سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں اور جو فوت ہو جائے تو واپس اس دنیا میں نہیں آیا کرتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وعظ صدیقی کے بعد کامل صحابہ اس بات پر متفق ہوگئے کہ آنحضرت صلعم سے پہلے جتنے نبی تھے سب مر چکے ہیں اور یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ میں ہوا اور صحابہؓ جو آنحضرت صلعم کی محبت میں محو تھے کیونکر اس بات کو قبول کر سکتے تھے کہ ان کے بزرگ نبی جو سب نبیوں کے سردار تھے اس نے چوسٹھ برس کی بھی پوری عمر نہ پائی جبکہ عیسیٰ چھ سو برس سے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ وہ لوگ تو عاشق رسول تھے اگر صحابہ کے دلوں میں یہ خیال ہوتا کہ عیسیٰ آسمان پر چھ سو برس سے زندہ بیٹھا ہے تو وہ ضرور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آگے یہ خیال پیش کرتے مگر اس روز سب نے مان لیا کہ سب نبی مر چکے ہیں اگر کسی کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ عیسیٰ زندہ ہے تو اس نے اس خیال کو ایک رڈی چیز کی طرح اپنے دل سے باہر پھینک دیا۔

سوال نمبر (۱۵): قرآن شریف نے سورۃ نور آیت نمبر ۵۶ میں لفظ منکم استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب قرآن شریف کے سورۃ نور میں لفظ منکم سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تمام خلیفے اسی امت میں سے ہوں گے اور وہ خلفاء سلسلہ موسوی کے مثیل ہوں گے اور صرف ان میں سے سلسلہ کے آخر میں موعود ہوگا جو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ ہوگا ۔باقی موعود نہیں ہوں گے یعنی نام لیکر ان کے لئے کوئی پیشگوئی نہیں ہوگی اور یہ منکم کا لفظ بخاری میں بھی موجود ہے اور مسلم میں بھی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مسیح موعود اس امت میں سے ہوگا پس اگر غور کرنے والا پوری دیانت سے غور کرے تو اس کو ان تین منکم (ایک قرآن سورۃ نور اور دو احادیث بخاری اور مسلم) کے لفظوں پر نظر ڈالنے سے یقین ہو جائے گا کہ یہ امر قطعی فیصلہ تک پہنچ چکا ہے کہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا۔ حضرت صاحب اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۰ پر فرماتے ہیں:

''میرے دعوے کے ساتھ اس قدر دلائل ہیں کہ میری نسبت قرآن کریم نے پورے پورے قرآئن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتا دیا ہے اور حدیثوں میں کدعہ کے لفظ سے میرے گاؤں کا نام موجود ہے اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسیح موعود کی تیرھویں صدی میں پیدائش ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا اور صحیح بخاری میں میرا تمام حلیہ لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا۔ سو قادیان دمشق سے مشرق کی طرف ہے''

۔۔مسیح موعود کی آمد کے تمام نشان، علامات اور قرآئن۔۔

(۱): دعویٰ کے وقت سے میں لوگوں کی تکذیب کے دنوں میں آسمان پر رمضان کے مہینہ میں خسوف وکسوف ہونا۔

(۲): زمین پر طاعون کا پھیلنا۔

(۳): ریل کی سواری پیدا ہونا اور اونٹ کا بیکار ہونا۔

(۴): حج کا روکا جانا۔

(۵): صلیب کے غلبہ کا وقت ہونا

(۶): میرے ہاتھ پر صدہا نشانوں کا ظاہر ہونا۔

(۷): نبیوں کے مقرر کردہ وقت مسیح موعود کے لئے اسی زمانہ کا تعین۔

(۸): صدی کے سر پر میرا مبعوث ہونا۔

(۹): ہزارہا نیک لوگوں کا میری تصدیق کے لئے خوابیں دیکھنا۔

(۱۰): آنحضرت صلعم اور قرآن کریم کا یہ فرمانا کہ وہ مسیح موعود میری امت میں سے ہوگا۔

(۱۱): خدا کی تائیدات کا میرے شامل حال ہونا اور ہزارہا لوگوں کا بلکہ دو لاکھ کے قریب میرے ہاتھ پر بیعت کر کے راستبازی اور پاک دلی اختیار کرنا۔

(۱۲): میرے وقت میں عیسائی مذہب میں ایک تزلزل پڑنا۔

(۱۳): میرے وقت میں مسلمانوں کا بہت فرقوں میں منقسم ہو کر تنزل کی حالت میں ہونا اور طرح طرح کی بدعت، شرک مے خواری، حرامکاری، خیانت اور دروغگوئی دنیا میں شائع ہو کر ایک عام تغیر دنیا میں پیدا ہونا۔

(۱۴): ہر ایک پہلو میں اس عالم میں انقلاب عظیم پیدا ہونا۔

(۱۵): ہر دانشمند کی شہادت سے دنیا کا ایک مصلح کا محتاج ہونا۔

(۱۶): میرے مقابلہ میں خواہ اعجازی کلام اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آجانا۔

(۱۷): میری تائید میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیاں پوری ہونا۔

☆☆☆☆

مسز ریحانہ ریاض (مرحومہ)

از محترمہ پروین چوہدری (ایم اے۔ بی ایڈ)

میں نے قلم اٹھالیا ہے مگر سمجھ نہیں آ رہی کہ ریحانہ کو کس حیثیت سے یاد کروں ۔آہ! یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ریحانہ کو ہم اس طرح یاد کریں کہ وہ ہم میں موجود نہیں ۔ ریحانہ میرے لئے کیا تھی یہ تو صرف میں ہی جانتی ہوں ۔ وہ میری ماموں زاد بہن تھی، میری سہیلی تھی اور پھر میری بھابھی بھی تھی ۔ آیئے پہلے بہن کو یاد کریں ۔ مجھے نہایت اچھی طرح یاد ہے کہ بہت کم سنی میں ہم پانچ چھ کزنز کو میرے دادا جی حافظ محمد بخش اکٹھے گاؤں کے سکول میں داخل کروا آئے ۔ میرے دادا جی خود عربی فاضل اور منشی فاضل تھے ۔

لاہور کے اورینٹل کالج کے پہلے شاگردوں میں سے تھے ۔ تعلیم سے بہت شغف تھا ۔ انہی کی بدولت پوری نظام فیملی تعلیم کے اعلیٰ مدارج تک پہنچی ہے ۔ میں اور ریحانہ اور ریحانہ کی چھوٹی بہن پہلی کلاس میں داخل ہوئیں ۔ وہ انگوٹھا چوسنے میں لگی رہی اور ہم دونوں ایک دوسرے کی انگلی پکڑے اپنے تعلیمی سفر پر رواں دواں رہیں ۔ پانچویں کلاس میں سنٹر کے گورنمنٹ کے امتحان میں اچھی پوزیشن لی پھر اوکاڑہ شہر میں گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میں داخل ہوئیں ۔ ہم پورا خاندان ایک بہت بڑی حویلی میں الگ الگ گھروں میں رہتے تھے ۔ جس کے درمیان میں مسجد تھی ۔ اور گول دائرے میں دادا جی کے پانچ بھائیوں کے گھر تھے ۔ دادا جی نے میرے ابا جی کو الگ گھر بنا کر دیا ہوا تھا ۔ مگر ان سب گھروں کا ایک ہی بہت وسیع صحن تھا ۔ سب گھروں کے بچے شام کو صحن میں اکٹھے ادھم مچاتے اور اونچی آوز میں دوسرے گھر سے ایک دوسرے کو بلا لیتے ۔

میرے گھر میں ان دنوں قندیل رسالہ آیا کرتا تھا ۔ جس کو کم عمری میں پڑھ پڑھ کر میری اُردو بہت اچھی تھی ۔ انگریزی ہمیں میرے والد محترم اور میرے ماموں جان نے پڑھانے کا ذمہ لے رکھا تھا ۔ دونوں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے ۔ اسی لئے انگریزی کبھی ہمارے لئے مسئلہ نہیں بنی ۔ قسمت نے ساتھ دیا ہم دونوں بہنوں نے احسن طریقے سے مڈل کا بورڈ کا امتحان پاس کیا اور پھر میٹرک بھی بڑی سہولت سے پاس کر گئے ۔

میں اور ریحانہ ہر قدم پر ساتھ رہے ۔ یہاں تک کہ پہلی کلاس سے لے کر ایم ۔ اے تک میں اور ریحانہ ایک ہی کلاس میں ایک ہی بنچ پر بیٹھ کر ایک ہی استاد سے پڑھا ۔ جب ہی یہ دوستی کا نقش اتنا گہرا ہے ۔ میرے دادا جی کی مجھ پر شفقت اور ریحانہ کی اس میں شراکت مجھے آج تک یاد ہے ۔ میں پانچویں کلاس میں تھی ۔ صبح امی جان مجھے سکول کے لئے تیار کر رہی تھیں کہ دادا جی کی آواز آئی ۔ پروین بیٹا تمہاری دادای چستیاں جارہی ہیں ۔ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتی ہیں ۔ دادا جی اپنی خواہش دادی جان کی زبان سے کہا کرتے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ پھر امی جان سے کہا کہ شریفہ اس کے دو چار کپڑے ساتھ دے دو ۔ پھر ساتھ ہی کہا کہ اگر ریحانہ کو ساتھ لے جانا چاہو تو اسے بھی کہہ دو ۔ جانتے تے کہ ہم ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ چپکی رہتی ہیں ۔ اتنے میں دادی جان نے کہا کہ حافظ جی رخسانہ بھی ساتھ ہے، وہ پیچھے اکیلی رہ جائے گی ۔ تو دادا جی نے ریحانہ کو تو ساتھ لے لیا اور رخسانہ کو بلا کر ایک چونی اس کے ہاتھ پر رکھی کہ پروین کے ساتھ ریحانہ چستیاں جارہی ہے لوتم یہ پیسے رکھ لو ۔ خرچ کر لینا ۔ رخسانہ چونی پر راضی ہوگئی اور ریحانہ میرے ساتھ دادا دادی کی مصیت میں سفر پر روانہ ہوگئیں ۔ پورے خاندان کو معلوم تھا کہ یہ دونوں ہر کام میں ساتھ رہتی ہیں ۔ میرے ماں نے اگر مجھے کڑھائی میں مہارت سکھائی تو میرے ممانی نے ہمیں سلائی میں ۔ ہم دونوں نے کروشیا سیکھنے کے میدان تک ہم پلہ رہیں ۔ میں اور ریحانہ بی اے کے بعد ایم اے میں یونیورسٹی پہنچے ۔ تب بھی ہوسٹل میں ایک کمرہ رہا ۔ یونیورسٹی میں کلاس میں بیٹھے ہیں تو ملحقہ سیٹوں پر، لیکچر نوٹ کیا تب بھی مقالہ بازی کہ کوئی حرف نہ چھوٹے جو پروفیسر کی زبان سے نکلے اور ہم اسے نوٹ نہ کر پائیں ۔ یہاں تک کہ ہوسٹل میں جب اتوار کے دن بہت صبح ریڈیو سیلون سے محمد رفیع کے گانے لگتے تو ہم دونوں مل کر ایک ایک فقرہ نوٹ کرتیں اور پورے فقرے نوٹ نہ کر سکنے پر بے تحاشہ ہنستیں ۔ ریحانہ اور میری یہاں تک ذہنی ہم آہنگی تھی کہ بازار بھی گئے

ہیں تو مل کر اور کپڑے اور دوسری اشیاء ایک دوسرے کی پسند سے خریدیں۔

پھر وہ وقت بھی آیا۔ ایم اے میں کامیابی کے بعد بھائی ریاض کی شادی ریحانہ سے ہوگئی۔ اب ایک تیسرا رشتہ ہوگیا۔ وہ میرے گھر آ گئیں۔ بھائی کا چونکہ کاروبار لاہور میں تھا۔ سو شادی کے اگلے ہی دن لاہور آ گئیں۔ مگر رشتہ پھر بھی استوار رہا۔ میں نے بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ تو ہوسٹل کی بجائے بھائی کے پاس رہنے لگی۔ اب دن رات کا ساتھ پھر مل گیا۔ خاندان بھر کے لوگ لاہور آتے تو بھائی کے پاس ٹھہرتے۔ روز مہمانوں کی دعوتوں کا سلسلہ ہم دنیا میں بھرپور زندگی گذار رہے تھے۔ لاہور کالج کے بالکل سامنے شادمان فلیٹس میں رہتے تھے۔ سامنے سڑک پار اپنا کالج نظر آتا۔ ہر شخص آتا جاتا نظر آتا۔ بالکونی میں بیٹھ کر لطف اٹھاتے۔ ابو اور امی جان اکثر مہینے میں دو تین چکر لگا لیتے۔ میری ماں عادتاً کیک، مٹھائی اور مکھن سے لدی پھندی آتیں۔ سب لوگوں کی عید ہو جاتی۔

احمد پیدا ہوا تو سماں ہی کچھ اور تھا۔ ریحانہ ساس کی لاڈلی بھتیجی بھی تھیں۔ خوب ناز اٹھائے۔ پھر احمد کی سالگرہ آئی تو اوکاڑہ والے گھر میں سماں بندھ گیا۔ انڈوں کی مٹھائی میری ماں جیسی کوئی نہیں بنا سکتا۔ بڑی بڑی کڑاہیوں میں مٹھائی بنتی۔ کیک کاٹتے وقت ریحانہ کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ہم سب بہنوں کے ساتھ امی جان ریحانہ کو بھی نئے کپڑے بنا کر دیتیں۔ ہمیں کبھی محسوس بھی نہیں ہوتا تھا کہ ریحانہ بھابی ہیں یا بہن، بس صرف ایک تعلق تھا جو ہم سب کو باندھے ہوئے تھا۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ میرے ماموں اور میری ماں سگے بھائی بہن تھے۔ ان میں بے پناہ محبت اور یگانگت تھی، بھائی ریاض کو اپنا بھانجا نہیں بلکہ بیٹا کہتے تھے اور جب کبھی امی اور ماموں جان اکٹھے بھائی کے گھر میں مل جاتے تو ماموں اکثر کہتے کہ شریفہ میں تو اپنے بیٹے کے پاس آیا ہوں تم یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ تو ریحانہ اکثر ہنس کر کہتیں کہ ابا جی پھوپھی جان بھی تو اپنے بیٹے کے پاس آئی ہیں۔

آپ کہاں تک سنیں گے یہ داستان بہت طویل ہے۔ ریحانہ کا ذکر ہے اور میرا قلم تھمتا ہی نہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بھائی ریاض کو اپنا ہسپتال یونائیٹڈ مسلم ہسپتال مجبوراً ''وائنڈ اپ'' کرنا پڑا۔ وہ تو بعد میں امریکہ تشریف لے گئے۔ بعد میں ریحانہ اور عاصمہ کو بھی بلا لیا۔ احمد میرے پاس رہ گیا۔ ریحانہ اکثر امریکہ سے فون کرتیں کہ احمد تمہارے پاس ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ میں خود Job کرتی تھی۔ مگر ہر پندرہ دن بعد لاہور آتی۔ احمد کے لئے کھانے بناتی، کیک وغیرہ بناتی۔ پورا گھر صاف کرتی۔ ایک دفعہ گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی چلی گئی۔ تو امریکہ سے کراچی فون کر دیا کہ تمہارا کراچی آنے کا کیا مقصد تھا۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ احمد اکیلا ہے اور تمہارا انتظار کرتا ہے۔ آہ! ریحانہ کا مجھ پر یہ مان۔ یہ بھروسہ اور اعتماد یہ کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ کہ میں تو امریکہ میں عیش اڑا رہی ہوں اور پروین کو یہ اجازت بھی نہیں کہ وہ بھی کبھی کسی بہن کے پاس چار دن رہ آئے۔

بھائی ہسپتال کے کاموں میں مصروف تھے کہ مجھے اوکاڑہ فون گیا کہ عثمان کو لے کر آ جاؤ۔ ہم سب مل کر ناران کاغان کی سیر کو چلتے ہیں بس پھر کیا تھا ایک دو دن کے اندر ہم سفر پر روانہ تھے۔ اب کیا کہوں وہ منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم صبح سیر پر نکلتے۔ ریحانہ میر کارواں تھی۔ سارا دن گھومتے، بھوک لگتی تو ریحانہ یا تو پھل خرید لاتیں یا پھر مکئی کے بھٹے بھنوا لاتیں۔ اور ہمارا سفر نہ تھمتا۔ احمد، عاصمہ اور عثمان نے زندگی کا بھرپور لطف اٹھایا۔ میں لکھ رہی ہوں اور ریحانہ میرے سامنے بیٹھی مجھے دیکھ رہی ہے۔ یہ کیسا احساس ہے۔

آخری دفعہ امریکہ جانے سے پہلے لیزر سکول کی کلاسز لے رہی تھیں۔ اور مجھے فون کرتیں کہ تم گھر بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ میرے پاس کیوں نہیں آتی۔ میں کہہ دیتی کہ آئیشم کی دیکھ بھال میں مصروف ہوں۔ تو خود چلی آتیں کہ کلاس میں ابھی گھنٹہ باقی ہے۔ چلو باتیں کرتے ہیں۔ میں جھٹ چائے بنا لاتی کبھی چائے سے انکار کر دیتیں کہ چائے پینے کو دل نہیں مانتا۔ کوئی پھل لے آؤ۔ اب سوچتی ہوں وہ مجھ سے دو ڈھائی سال بڑی تھیں۔ مگر ذہنی ہم آہنگی اتنی تھی کہ تفاوت نام کو نہ تھا۔ ہم اگر کسی بات پر الجھ بھی پڑتے تو سمجھانے بیٹھ جاتیں۔ یہ بات ساری کالونی جانتی ہے کہ وہ چلتے پھرتے دوسروں کو نصیحت کرتی تھیں۔ میرے خیال میں آج تک کبھی کسی کو غلط مشورہ نہیں دیا۔ بات کہہ کر دوسروں کی مرضی پر چھوڑ دیتیں۔ مجبور نہیں کرتی تھیں۔ مجھ سے بار بار کہتیں کہ انجمن کی خدمت کیا کرو۔ میں جواب دیتی کہ ریٹائرمنٹ کے بعد میری انجمن سے کمٹمنٹ ہی یہ تھی کہ ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جاتے ہوئے کہہ گئیں کہ نواسے کی آمین پر جا رہی ہوں۔ جلد آ جاؤں گی۔ مگر کسے معلوم تھا کہ یہ چہرہ دوبارہ نظر نہیں آئے گا۔ امریکہ کی مٹی سے کھینچ کر لے جا رہی ہے۔ یہ حسرتِ دیدار ہمیشہ کے لئے رہ جائے گی۔

ریحانہ تمہاری نیکیاں زندہ، تمہارے خوبیاں باقی، کانوں میں آج بھی تمہاری اونچی آواز میں درود پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔ خدا حافظ ریحانہ

درس قرآن۔ ۱۷

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ''وہ (اللہ) جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو (بڑی) عمارت اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے بعد تمہارے لیے پھلوں سے رزق نکالا، پس تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ جب کہ تم جانتے ہو۔ اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا تو ایک سُورت اِس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو''۔ (البقرۃ ۲۔۲۲۔۲۳)

اس سے قبل کی آیت میں جس کی تشریح میں نے پچھلے درس میں کی تھی یہ فرمایا تھا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کی عاجزی سے فرمانبرداری کرے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس لئے صرف وہ ہی جانتا ہے کہ انسان کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا اور کس رستہ پر چل کر وہ اس مقصد کو پا سکتا ہے۔ لفظ رَبّ میں جس کی تشریح میں سورۃ فاتحہ میں کر آیا ہوں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح جسمانی طور پر انسان کو ایک حقیر صورت سے بتدریج ترقی دیتے ہوئے اعلیٰ صورت میں بناتا ہے یا جس طرح انسان کی عقل کو ایک نئے پیدا ہوئے بچہ کی عقل سے بتدریج ترقی دیتا ایک عالم و فاضل کی عقل تک پہنچا دیتا ہے، اسی طرح انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کرنا چاہتا ہے یعنی حیوانی حالت سے انسان کو ترقی دے کر اخلاقی بلندیوں پر پہنچانا چاہتا ہے اور اسے روحانی نشوونما دے کر وہ اعلیٰ زندگی بخشنا چاہتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے اور مرنے کے بعد بھی انسان کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ پھر دنیا میں بھی انسان خوش اور سکھی رہے گا اور آخرت میں بھی۔ تو یہ تربیت اخلاقی و روحانی تبھی بخوبی ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کی عاجزی سے فرمانبرداری کرے جس طرح ماں باپ کی تربیت سے یا استاد کی تربیت سے وہی بچہ بہترین فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان کی عاجزی سے فرمانبرداری کرتا ہے نہ کہ بددلی سے یا گستاخی سے۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے بہت بڑھ چڑھ کر انسان کا محسن اور خیرخواہ ہے۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ظاہری ربوبیت کے لئے کیا سامان کئے ہیں اور ان سے انسان کی باطنی و روحانی ربوبیت کے سامانوں کو سمجھانا مقصود ہے۔ یہ قرآن کریم کا کمال ہے کہ انسان جو ظاہر بین ہے یعنی اپنے باہر کی دنیا کو ہی دیکھتا ہے۔ اور اپنے اندر کے عالم سے ناواقف ہے اس انسان کو ظاہری باتوں سے باطنی باتوں کو سمجھاتا ہے۔ یہ طرزِ استدلال قرآن کریم کا انوکھا ہے۔ فرمایا کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وسیع و عریض زمین کو جو اصل میں گول ہے تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا ہے۔ اور اگر وہ تیزی سے نہ صرف اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے بلکہ سورج کے گرد بھی گھوم رہی ہے اسے تمہارے لئے ساکن قرارگاہ بنایا ہے۔ اسی رکوع کی آخری آیت میں فرمایا: ''یعنی وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے وہ پیدا کیا'' گویا زمینی زندگی اور انسان کی جسمانی نشوونما کے لئے جو بھی سامان ضروری تھے نہ صرف وہ مہیا کئے بلکہ اتنی نعمتیں پیدا کی ہیں کہ انسان سوچنے لگے تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

پھر آسمان کی طرف توجہ دلائی کہ وہ محض بکھرے ہوئے ستارے نہیں ہیں بلکہ ایک نہایت منظم اور ترتیب سے بنائی ہوئی تعمیر یا عمارت ہے جس میں جیسا کہ آج ۱۴۰۰ سال بعد سائنسدانوں نے پتہ لگایا ہے کہ تمام ستارے اور سیارے مختلف کائناتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک نظام اور ترتیب سے جملہ کائنات کی ترتیب و تعمیر بنائی گئی ہے۔

اور رکوع کے آخر میں پھر اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ تمہارے لئے زمین

میں وہ کچھ پیدا کر کے جس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات ٹھیک ٹھاک اور اعلیٰ آسمان بنائے اب مادی دنیا میں تو سات آسمان نظر نہیں آتے نہ سائنس کے آلات سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں باطنی دنیا میں یا اگلے جہانوں کے سات ہونے کا علم قرآن اور حدیث دونوں دیتے ہیں۔ تو آج کی آیت میں اشارہ ہے کہ زمینی زندگی کے سب سامانوں اور نعمتیں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے مرنے کے بعد تمہارے لئے آخرت میں سات آسمانی زندگیاں جو نہایت اعلیٰ ہیں بنائیں ہیں۔ انسان کی مرنے کے بعد بھی ربوبیت اور ترقی ان سات آسمانوں میں ہے۔ یاد رہے کہ معراج میں بھی رسول اللہ صلعم نے لوگوں کو یہاں تک کے نبیوں کو بھی منقسم پایا مختلف آسمانوں میں کہ اللہ تعالیٰ کتنا عظیم رب، کتنا بڑا انسان کا محسن اور کشادہ دل خیر خواہ ہے۔ آج کی آیات میں زمین کو قرار گاہ بنانے کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ انسان کا اس زمین پر قیام ایک مدت معینہ کے لئے ہے۔ اور آسمان کے لئے لفظ عمارت استعمال کرنے میں اشارہ ہے کہ زمین زندگی انسان کی وہ بنیاد ہے جس پر اس کی آسمانی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے جیسی زندگی یہاں گذارو گے ویسی تمہاری آسمانوں میں زندگیاں بنیں گی۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو یہاں بوؤ گے وہ وہاں کاٹو گے۔

پھر ایک اور ظاہری نظارہ کی طرف توجہ دلا کر ایک باطنی راز کو کھولا ہے فرمایا: ''اور اللہ نے آسمان سے پانی کو نازل کیا اور اس سے تمہارے لئے رزق اور پھل نکالے۔'' آسمان سے پانی آئے تو ہی زمین اپنے رزق نکالتی ہے اور پھل پھول لگتے ہیں۔ اگر بارش نہ آئے تو نہریں اور دریا بھی خشک ہو جائیں اور انسان کو نہ کھانے کو کچھ ہو اور نہ پینے کو اور انسان مر جائے۔ اسی طرح عالم باطن میں اگر آسمان سے وحی نہ آئے (جسے تمام قرآن کریم میں بارش سے تشبیہ دی گئی ہے) تو روحانی رزق نہ پیدا ہو اور تم روحانی طور پر مر جاؤ۔ جس طرح بارش آن کر مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے اور اس میں سے پھل پھول نکالتی ہے جس سے انسان جسمانی طور پر زندہ رہتا اور نشو ونما پاتا ہے اسی طرح وحی آن کر انسانوں کے مردہ باطنوں میں زندگی پیدا کرتی ہے پھر اس زندگی کو قائم رکھنے کے لئے روحانی رزق مہیا کرتی ہے اور انسان کے باطن میں وہ پھل اور پھول نکلتے ہیں جو پہلے اس کے باطن میں مخفی تھے۔ یہ پھل اور پھول وہ خوبیاں اور اعلیٰ صفات ہیں جو ہر متقی اور نیک انسان میں اسی دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسروں یہاں تک کہ دنیاداروں کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ تو جس طرح ظاہری رزق اور پھل پھول پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر انسان کا کام ہے کہ آسمان سے آئے ہوئے پانی کو استعمال کرے، زمین کو ہل جوت کو چیرے پھاڑے، خدا کے دئے ہوئے بیج کو لگائے اور وہ محنت شاقہ کرے جسے کسان بھائی بخوبی جانتے ہیں، اسی طرح باطنی بارش اور انسان کے قلب کی باطنی زمین اور نیکیوں کے بیج اور روحانی و اخلاقی نعمتیں اور آسمان اور تقدیری مصائب کو جھیلنے کی مشقتیں انسان کو باطنی طور پر نشو ونما دیتی اور پھل پھول لگاتی ہیں۔

جس طرح عالم ظاہر میں بارش آسمان اور زمین کے درمیان رشتہ ہے اسی طرح وحی انسان کی زمینی زندگی اور آسمانی میں رشتہ ہے۔ وحی الٰہی اگلے جہاں کی تمام ضروری خبریں دیتی اور انسان کی دنیاوی زندگی کو سنوارتی ہے تا کہ اس کی آخرت کی زندگی بھی سنور جائے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیاوی اور آسمانی زندگیوں میں ربوبیت کے ایسے اعلیٰ بندوبست فرمائے ہیں کہ اگر انسان ہر آن اس کا شکر کرے تو تسبیح اور حمد تو بھی کم ہے۔ تو فرمایا: ''یعنی تم اللہ کے واحد خالق اور رب ہونے کو جانتے ہوئے پھر اس کے شریک نہ بناؤ'' کوئی بت یا کوئی انسان (خواہ وہ پیغمبر ہوں جنہیں خدا بنالیا گیا یا پیر فقیر ہوں یا دنیاوی لیڈر) ان میں سے کوئی نہ تو انسان کا خالق تھا نہ وہ دنیا اور آخرت کے اس عظیم الشان ربوبیت میں جس کا میں نے نہایت اختصار سے ابھی ذکر کیا تھا کوئی حصہ رکھتے تھے بلکہ وہ خود دوسرے انسانوں کی طرح ربوبیت کے محتاج تھے۔ انہیں خدا بنالینا یا خدا کا ہمسر بنایا کتنا ظلم ہے! اس لئے قرآن میں آگے آتا ہے کہ: ''یعنی شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں'' انسان کے اپنے نفس پر کہ پھر وہ اس بے نظیر دنیاوی اور آخرت کی ہمیشہ کی ربوبیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت اور نشو ونما کے لئے جو انسان کو اس دنیا میں بھی حیوانیت سے اٹھا کر انسان بناتی ہے اور سکھی رکھتی ہے اور آخرت میں بھی

جنتی زندگی اور ترقیات جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہیں عطا فرماتی ہے ان سب کے لئے وحی کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر کر کے فرمایا: ''اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو''۔ اعتراض کرنے والوں کو وحی الٰہی ہی ایک چیز ملی جس پر وہ شک کر سکتے تھے کیونکہ وہ اترتی نظر نہیں آتی۔ رسول اللہ صلعم کے اعلیٰ کیریکٹر اور خوبیوں کے وہ گواہ اور معترف تھے۔ اسلام کی عمدہ اور معقول تعلیم پر کوئی انصاف پسند اعتراض نہیں کر سکتا۔ جن باتوں پر اس زمانہ میں اعتراض کئے بھی تھے وہ اعتراض کرنے والوں کو اپنا تھوکا چاٹنا پڑا۔ کہ آج انہوں نے وہ باتیں خود اختیار کر لی ہیں مثلاً دفاعی جنگ یا طلاق وغیرہ مگر وحی چونکہ اترتی نظر نہیں آتی تو اس پر اس وقت بھی اعتراض تھا اور آج بھی کوئی شک کر سکتا ہے کہ آیا قرآن کریم بذریعہ وحی اترا یا نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود بنالیا۔ تو اس کا سیدھا سادھا مگر مونہہ توڑ جواب دیا کہ محمد (صلعم) تو امی انسان ہیں۔ تم میں پڑھے لکھے بلکہ عالم و فاضل انسان ہیں (جیسا کہ آج یورپ اور امریکہ میں بے شمار ہیں) اور اگر نہیں ہیں تو ساری دنیا میں سے بلالو اپنی مدد کے لئے۔ عرب میں بہرحال بہت فصیح و بلیغ زبان دان تھے۔ تو فرمایا کہ ساری دنیا کے عالم و فاضل انسان اور فصیح و بلیغ زبان دان مل کر اس قرآن کی ایک سورت کی مثل کوئی سورت بنالاؤ۔ تاریخی طور پر پہلے چیلنج دیا تھا کہ اس جیسا قرآن بنالاؤ۔ جب وہ کسی نے قبول نہ کیا تو فرمایا اس جیسی دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ جب وہ چیلنج بھی کسی نے قبول نہ کیا تو اب فرمایا کہ چلو ایک سورت ہی اس کی مثل بنالاؤ۔ یاد رہے کہ قرآن کریم میں جہاں لمبی سورتیں ہیں۔ وہاں چھوٹی سے چھوٹی تین یا چار آیات کی سورتیں بھی ہیں جیسے سورۃ الکوثر یا سورۃ الاخلاص۔ تو کیا ساری دنیا مل کر اتنی چھوٹی بھی سورت نہیں بنا سکتی باوجود علماء و فضلاء اور فصیح و بلیغ زبان دانوں کے جو لاکھوں کروڑوں میں ہیں؟ اور اعتراض یہ ہے کہ عرب کے ایک امی نے آج سے ۱۴۰۰ سو سال پہلے سارا قرآن نعوذ باللہ خود گھڑ کر خدا کے سر تھوپ دیا۔ مگر شک کرنے والوں کو جو سانپ آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے سونگھ گیا تھا وہ ۱۴۰۰ سو سال بھی سونگھتا رہا اور اب بھی اُسی نے سونگھ رکھا ہے۔ یہ چیلنج قرآن کریم کا آج بھی اُسی طرح ساری دنیا کو ہے جیسا کہ ان ۱۴۰۰ سو سالوں میں تھا۔

یاد رہے کہ یہ چیلنج صرف فصاحت و بلاغت کا نہیں اگرچہ قرآن مجید آج بھی اپنی فصاحت اور بلاغت میں اتنا ہی بے نظیر ہے جتنا پہلے دن تھا بلکہ عربی پر قرآن کریم کی زبان بطور سند یا (Authority) کے آج بھی ہے جس طرح ہمیشہ سے تھی۔ تو صرف فصاحت و بلاغت کا چیلنج نہیں بلکہ ان کے ساتھ جو علم، جو معرفت، جو ہدایت کی روشنی قرآن میں ہے اور جو اس کتاب کا اثر اس انتہائی بگڑی ہوئی قوم پر ہوا کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں انہیں حیوانیت سے اٹھا کر نہ صرف انسانیت کے مقام پر لا کھڑا کیا بلکہ ولایت کے مقام تک پہنچا دیا۔ ان سب باتوں میں کوئی مثل لائے تو ہی چیلنج کا جواب ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ آیات زیر غور میں لفظ عبدنا یعنی ہمارا عاجزی سے مکمل طور پر فرمانبردار بندہ، اس ایک لفظ عبدنا میں ثبوت ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ محمد صلعم کا۔ قرآن نے اس ایک لفظ میں دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں ہو کہ محمد (صلعم) کس طرح سب میں پہلے اور سب میں مکمل عاجزی سے فرمانبرداری کرنے والا ہے۔ ان احکام اور ہدایت میں جو اس پر اترتی ہیں۔ ایک جھوٹا اور مفتری انسان کبھی اس طرح اپنی گھڑی ہوئی ہدایات یا احکام پر عمل کرتا ہے جس طرح حضور کرتے تھے کہ فرمایا: ''یعنی میں فرمانبرداری کرنے والوں سب میں پہلے ہوں'' حضورؐ کو اپنی اس عبودیت کا اتنا خیال تھا کہ تمام کلموں میں عبدہ' کو رسولہ' سے پہلے رکھ دیا یعنی اپنی رسالت سے زیادہ فخر حضورؐ کو اپنی عبودیت پر تھا۔

اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم کی اس قدر غیرت ہے کہ جہاں مددگاروں کو بلا لینے کی اجازت دی وہاں فرمایا: ''یعنی اس بارہ میں مجھ کو مخاطب تک نہ کرنا''۔ ابھی تو اور اگلے درس میں سنئے۔

☆☆☆☆

چند یادیں

نصرت بی بی بنت ملک سعید احمد مرحوم و مغفور

میرے والد ملک سعید احمد صاحب بھارت کے شہر لدھیانہ کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جو قیام پاکستان کے بعد بالآخر لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔ آبائی پیشہ حکمت تھا۔ والد صاحب اور ان کے بزرگ جماعت سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ آپ نے تمام عمر مظلوم لوگوں اور بیواؤں کی بہت خدمت کی۔ شدت کی دھوپ ہو یا رات گئے کا وقت خود ان کے مسائل حل کرنے چل پڑتے اور اس کے بدلے کبھی کسی قسم کا صلہ یا تحفہ قبول نہ کرتے۔ تمام زندگی سادگی اور عبادت میں گذاری۔ دنیاوی عیش و عشرت کو کبھی ترجیح نہ دی۔

انتہائی مشکل حالات میں کبھی نہ گھبراتے۔ اللہ تعالیٰ پر بہت بھروسہ رکھتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ انسان خدا کے ساتھ مخلص ہو تو اللہ تعالیٰ کبھی اسے ضائع نہیں کرتا۔ آپ چاہتے تو بہت سی جائیداد بنا سکتے تھے لیکن ہمیشہ خدا خوفی کو مدنظر رکھا اور کبھی ناجائز آمدنی کو قبول نہ کیا۔ ہمیشہ اسے عاقبت کا وبال کہتے۔ مظلوم اور کمزور لوگ ان کے بہت گرویدہ تھے۔ جب انکی ٹرانسفر ہوتی تو وہ لوگ اُداس ہو جاتے اور کہتے ''اج ساڈا سردار چلا گیا'' عمر کے آخری حصے میں طویل علالت کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ پھر بھی روزہ نہ چھوڑتے۔ کہتے'' لو روزہ کیا کہتا ہے'' وفات سے چند ماہ پہلے اکثر ملنے والوں کو کہتے ''میری آخری ملاقات ہے مجھے معاف کر دینا''۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اہل خانہ اور ان کے خاندان نے جس خلوص کے ساتھ آخری وقت میں ان کا خیال رکھا۔ والد صاحب انہیں دعائیں دیتے اور بہت سراہتے۔ جماعت کے بزرگوں اور بچوں تک نے ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بھائی انوار احمد صاحب، ان کے بھائیوں اور ان کے اہل خانہ نے ان کی بے لوث خدمت کی۔ وہ عظیم مثال قائم کی جس کا اجر عظیم تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ انہوں نے والد صاحب کے اس خواب کو سچ کر دکھایا کہ وہ ان کے روحانی بیٹے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بے لوث خدمت سے یہ مثال قائم کی کہ وقت پڑنے پر جماعت کے رشتے خونی رشتوں پر بھی فوقیت لے جاتے ہیں۔

والد صاحب انہیں بہت دعائیں دیتے اور کہتے کہ ''یہ ایک ماں کی طرح شفیق ہیں''۔ کسی کی پریشانی کے متعلق علم ہو جائے سہی جان پہچان نہ بھی ہوتی اس کے لئے بڑے خلوص سے دعائیں کرتے اور فکرمند رہتے۔ قیام پاکستان سے قبل لدھیانہ میں جب فصل آنے پر کثرت سے اناج ان کے گھر آتا تو جماعت کے ضرورت مند لوگوں کو خود جا کر کہتے کہ اپنی ضرورت کا جتنا اناج درکار ہے لے جائیں۔ بچپن میں ان کے دادا جان اور والد صاحب ان کو لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ملاقات کے لئے گئے۔ آپ کے دادا جان نے آپ کو حضرت صاحب کی گود میں ڈال دیا اور آپ کافی دیر تک اُن (حضرت صاحب) کا انگوٹھا چوستے رہے۔ یہ بہت بڑا شرف بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو حاصل ہوا۔ حق بات کہنے سے کبھی نہ گھبراتے خواہ زمانہ ان کا مخالف ہو جائے کہتے کہ وقت کے امام کو نہ ماننا بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ درود شریف کا کثرت سے ورد کرتے۔

آخری دنوں میں کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت الفاظ بھی ان کی زبان سے جاری رہتے۔ قرآن پاک کی تلاوت سننے کی فرمائش کرتے اور تلاوت کرنے والے کو دعائیں دیتے۔

ان کی طویل علالت کے باعث نقاہت بہت ہو گئی تھی۔ خوراک نہ ہونے کے برابر تھی۔ 4 مئی 2012 کی رات کو انہیں بخار ہو گیا۔ دوائی دی ان کے کہنے پر انہیں بٹھا کر تھوڑا سا کھانا بھی کھلایا لیکن 5 مئی 2012ء کے صبح جب ڈاکٹر کے پاس چیک کروانے لے جانے کے لئے اٹھایا تو دیکھا روح پرواز کر چکی تھی۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

مسلم اقوام کی قومیت، قوت اور اتحاد کا راز دین اسلام سے

(قرآن وسنت رسول صلعم) محبت، یقین اور عمل پر استوار ہے۔

مسلم سربراہوں کی اسلامی کانفرنس اور پاکستان کی اس میں بابرکت شمولیت

یروشلم اور اسرائیلی کے غاصبانہ قبضے اور مسجد اقصےٰ کو جلانے کے واقعہ نے عالم اسلام میں غم وغصہ کی جولہر دوڑائی تھی اس کے نتیجہ میں رباط کے شاہ حسن نے ۲۶ اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس بلائی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ کسی دینی مسئلہ کے حل کے لئے مختلف اسلامی ممالک کے سربراہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ اس اجتماع میں صدر پاکستان نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے جو کردار ادا کیا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی قومیت دیگر اقوام سے ایک علیحدہ ملت ہے، جس کی بناء ان کے مذہب یعنی دین اسلام پر رکھی گئی ہے۔ اس کے برخلاف دیگر اقوام کی بنیادیں نسلی، جغرافیائی اور وطنی تصورات پر قائم کی گئی ہیں۔ مگر ملتِ اسلامیہ کی بناء انکے واحد ومشترک دین ومذہب اسلام پر قائم کی گئی ہے۔

روحانی اشتراکیت پر ایک ملت وقوم کی تعمیر

اب ظاہر ہے کہ جب پاکستان کی مملکت کی بنیادیں ہی اس روحانی اشتراکِ دین پر قائم کی گئی ہوں تو اس کا سب سے زیادہ احساس پاکستانی مسلمانوں میں ہی پایا جانا ایک قدرتی امر ہے۔ مصر، عرب، ایران، ترکی اور دیگر مسلمان ممالک میں اگرچہ اسلام کو بطور مذہب بہت اہمیت حاصل ہے تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ مغربی نظریہ قومیت سے یہ ممالک بہت کچھ متاثر ہوئے ہیں۔ ان ممالک میں پہلے مصری، عربی، ایرانی، ترکی، مراکشی وغیرہ اور پھر مسلمان ہونے کی ذہنیت ابھی تک بہت غالب ہے۔

دوقومی نظریہ عالمگیر پیمانہ پر

برصغیر ہند کی تقسیم اس بناء پر پڑی تھی کہ تمام کلمہ گو ایک الگ قوم ہیں جن کا اشتراک ان کے مشترکہ اصول ونظریات زندگی کی بناء پر قائم ہے۔ مسلمان ایک جداگانہ قوم وملت اس لئے ہیں کہ ان کا ایک دین ہونے کے باعث ان کی تہذیب وثقافت، ان کا تمدن وطریق زندگی، ان کی تاریخ وروایات دیگر تمام اقوام سے یکسر مختلف واقع ہوئی۔ اس لئے وہ اپنی تمام روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ایک الگ وطن کے حقدار ہیں گویا مسلمانوں کی قومیت واخوت کی بناء زندگی کی مشترکہ اقدار پر ہے۔ اس لئے ان کے لئے ایک الگ وطن وریاست بکار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وطن قومیت اور ریاست مقدم نہیں ہیں بلکہ مقدم دین ومذہب اور روحانی اقدارِ زندگی ہیں۔ بعینہٖ مسلم سربراہوں کی رباط میں حالیہ کانفرنس کا باعث بھی کوئی اقتصادی، تجارتی، جنگی یا ملکی وسیاسی مسئلہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس اجتماع واتحاد کی تہ میں یہی ایک دینی مسئلہ اور روحانی اشتراک تھا یعنی اسلام کے مقدس مقامات کی حفاظت اور مسلمانوں پر ان کے دین کی وجہ سے جابرانہ ظلم وستم۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ سربراہوں کی وموجودہ کانفرنس نظریہ پاکستان کی وسیع تر عالمگیر لہر ہی ہے۔

مملکتِ پاکستان کی تعمیر یا اسلامی نظریہ حیات کے غلبہ پر یقین

برصغیر ہند کے مسلمانوں میں الگ مملکت کا تصور کبھی غالب نہیں آسکتا تھا جب تک ان کے قلوب میں دو امور پر محکم یقین نہ ہوتا۔ دین اسلام محض عبادات وعقائد کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک مثبت نظریہ حیات رکھتا ہے جس میں زندگی کے نبھانے کے لئے روحانی واخلاقی اقدار قائم کی گئی ہیں۔ نیز ان اقدار کو دیگر مادی، وطنی، نسلی اور قومی اقدار پر ترجیح حاصل ہے۔ پس ایک حقیقی مسلمان سب سے پہلے اور سب سے آخر ایک مسلمان ہے اور پھر کچھ اور۔ اگر دین اسلام کا

رشتہ کٹ جائے تو پھر اس واحد قدر مشترک واتحاد کے قطع ہوجانے کے باعث نہ مسلمانوں کی کوئی قومیت و جمعیت باقی رہتی ہے اور نہ ہی ان کا کوئی تہذیب تمدن کا اشتراک قائم رہ سکتا ہے۔ دین اسلام نے ایک الگ تہذیب وتمدن قائم کیا ہے۔ زندگی کی الگ اقدار مقرر کی ہیں۔ اس دین کو قبول کرنے والے الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں الگ ریاست کی حاجت ہے۔

مسلمانوں کی قومیت اور طاقت کا راز دین اسلام کی صداقت و برتری پر ایمان ویقین محکم اور کلمہ گوؤں کی وحدت پر قائم ہے۔

غلبہ اسلام اور اتحادِ کلمہ گویاں پر یقین کہاں سے پیدا ہوا؟

غلبہ اسلام کی لہر مسلمانوں کے قلوب میں حضرت مرزا غلام احمدؒ اور جماعت احمدیہ کی مساعی سے ہی پیدا ہوئی۔ یہ حضرت اقدس کے بے نظیر کلام اور جماعت احمدیہ لاہور کی علمی وقلمی کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اس ملک میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے قریب تر آنے کا یقین پیدا ہوا۔ نہ صرف مسلمانوں میں اس کی وجہ سے بیداری پیدا ہوئی بلکہ غیر اقوام میں اسلام کی صحیح و قابلِ قبول تعلیمات کی عالمگیر اشاعت کے ذریعہ مغرب سے طلوع اسلام کا نظارہ جماعت احمدیہ لاہور نے پیش کر دکھلایا۔

اگر مجدد زماں مسیح دورانؑ کی بعثت نہ ہوتی تو غلبہ اسلام اور کلمہ گوؤں کے اتحاد پر یقین پیدا نہ ہوسکتا اور نہ ہی مملکت پاکستان کی بنیادیں قائم ہوکر اس ریاست کا وجود عمل میں آتا۔ ایک طرف جہاں ان امور سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور نے اس زمانہ میں مسلمان قوم میں کیا روح بیداری پھونکی اور کیونکر غلبہ اسلام اور کلمہ گوؤں کی وحدت کے اعلیٰ اصول پر یقین پیدا کر کے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ وہاں فرقانی تعلیم کا یہ اصول بھی اجاگر ہوجاتا ہے کہ جب بھی اس کے پیرو اس تعلیم کے ابدی اصولوں کو اپنی عملی زندگیوں میں رائج کریں گے اسی وقت خدا تعالیٰ ان کی قومیت و جمعیت میں برکت، قوت وطاقت پیدا کرے گا۔

میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا

مگر یہ صرف اسی حد تک مقدر نہ تھا کہ اسلامی نظریہ حیات پر غلبہ اور کلمہ گوؤں کی متحدہ قومیت کے دو اصولوں پر یقین اس برصغیر کے مسلمانوں تک محدود رہے بلکہ اس سلطنت کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ یقین کی یہ لہر دیگر مسلمانوں میں بھی سرایت کرے اور جمیع مسلمانان عالم حقیقی اتحاد کی مضبوط لڑی میں پروئے جائیں۔ جمیع مسلمانِ اقوام کے اتحاد کی اصلی راہ اگر ایک طرف امر میں مضمر ہے کہ ہر کلم گو کو اسلامی اخوت کا فرد قرار دیا جائے تو دوسری طرف اس برادری کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کو برتر وفائق یقین کر کے اسے اپنی عملی زندگی میں لا کر دیگر اقوام میں اسی نظریہ کی اشاعت کی جائے۔ پس اب وقت نزدیک تر ہے کہ مسلمان خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں مغربی وطن پرستی اور محدود قومی نظریوں کو خیرباد کہہ کر دین اسلام سے اپنا حقیقی و مضبوط رشتہ استوار کریں گے اور اپنے باہمی اتحاد و اتفاق کے طریقوں کو محض مادی واقتصادی اور سیاسی وصنعتی وسائل تک محدود نہ رکھ کر عالمگیر اسلامی، اخلاقی وروحانی بنیادوں پر استوار کریں گے۔

جہادزمانہ یا تحریک اشاعت اسلام

پر جمیع مسلم اقوام کا مبارک اتحاد

مسلم سربراہوں کا دین اسلام کے اصولوں اور روایات مذہبی کی خاطر اجتماع واتحاد ایک ایسا مبارک اقدام ہے جس کی نظیر حالیہ تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اگر مسلمان اقوام اور مسلمان سلطنتوں کے سربراہ اسی طرح اپنے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی پیاری کتاب فرقانِ مجید کی عظمت وسربلندی کے لئے اشاعت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے متحد ومجتمع ہوجائیں تو یہ بات حتمی یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چند ایام میں نہ صرف دنیا اسلام کے ابدی اصولِ حقہ کو قبول کرلے بلکہ جمیع مسلمان اقوام ایک ایسے مضبوط ومبارک اور صالح وارفع نصب العین پر قائم ومتحد ہوجائیں جس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی مقصد حیات نہیں۔ انشاء اللہ عنقریب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ مسلم ممالک کے سربراہ اشاعت اسلام کی اعلیٰ افادیت وعظمت کے قائل ہوکر اس فرقانی نصب العین کی جانب انفرادی واجتماعی اقدامات کر کے سرخرو ہوں گے اور اپنے مقدس ترین فریضہ یعنی جہاد زمانہ کو ادا کرنے کے لائق بن جائیں گے۔

(ماخوذ از پیغام صلح۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

ڈینگی مچھر کہاں پایا جاتا ہے؟

☆ پانی کے کولروں میں ☆ سروس اسٹیشن ☆ گملوں ☆ اے سی اور فریج کے نیچے کھڑا پانی

☆ ٹوٹے ہوئے برتنوں ☆ پرانے ٹائر اور ڈرم ☆ پانی کی ٹینکی جن کے ڈھکن ٹوٹے ہوئے ہوں

ڈینگی بخار سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر

☆ ہفتے میں دو سے تین بار گھر، دفاتر اور دکانوں میں صفائی کر کے مچھر مار ادویات کا سپرے کریں اور دروازے ایک گھنٹہ کے لئے بند رکھیں۔

☆ روم کولر وغیرہ جب استعمال میں نہ ہوں تو ان میں سے پانی خارج کر دیں۔

☆ گھروں میں موجود فواروں، آبشاروں اور سوئمنگ پول وغیرہ کا پانی نکال کر انہیں بند کر دیں۔

☆ مچھروں سے بچاؤ کے لئے کوائل، میٹ، مچھر بھگاؤ لوشن اور مچھر دانی کا استعمال کریں۔

☆ شام کے وقت باغیچے میں جانے سے پہلے جسم پر مچھر بھگاؤ لوشن ضرور لگائیں۔

☆ صاف پانی جمع کرنے کے برتن مثلاً گھڑے، ڈرم اور ٹینکی وغیرہ کو صحیح طور پر ڈھانپ کر رکھیں۔

☆ اے سی سے خارج ہونے والا پانی زیادہ دیر کھڑا نہ رہنے دیں۔

☆ پوری آستین کے کپڑے پہنیں۔

☆ گھروں کے اندر، اردگرد، چھتوں، پودوں کی کیاریوں، گملوں، پرانے برتنوں اور ٹائروں وغیرہ میں پانی جمع نہ ہونے دیں۔
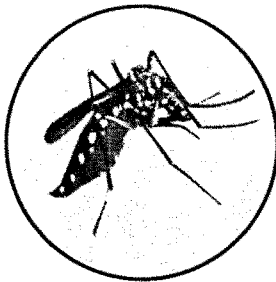
ڈینگی کا سفید دھاریوں والا مچھر

دارالسلام، ۵۔عثمان بلاک

نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ الرحمتہ کی ابتدائی تحریرات

’’ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔۔۔اور میں اس مدّت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور رپ ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسّس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔غریب طبع، باحیاء نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے۔اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔۔۔۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو بہمہ صفت موصوف ہوں۔اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے‘‘۔

(مجموعہ اشتہارات ۱۹ اگست ۹۹ جلد ہشتم ص ۴۷)

اور اس کے بعد اکتوبر ۹۹ء میں ایک اور موقع پر تحریر فرمایا:

اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔یعنی مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے پلیڈر ہیں۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدّت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔اور حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب سے حقائق ومعارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔اے خدا تو ایسا ہی کر۔آمین۔ثم آمین۔ (مجموعہ اشتہارات ۴ اکتوبر ۹۹ء جلد ہشتم ص ۶۸)